اشاعت کا ۶۳ واں سال

یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

ماہنامہ ہمدرد نونہال

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیرِ اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۹ | جلد ۶۳

ستمبر ۲۰۱۵ عیسوی | ذیقعد، ذی الحج ۱۴۳۶ ہجری

ٹیلے فون — 36620945 سے 36620949
36616001 سے 36616004
ایکسٹینشن — (054 یا 052 یا 066)
ٹیلے فیکس نمبر — (92-021) 36611755
ای میل — hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org
ویب سائٹ ادارہ سعید — www.hakimsaid.info
فیس بک پیج — www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

قیمت عام شمارہ ۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۳۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے) ۵۰- امریکی ڈالر

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کی تصویر: علیزا عثمانی، کراچی

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد

شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

قائداعظم محمد علی جناح کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ہمیں جگایا اور نہ صرف غیر ملکی حاکموں کی غلامی سے نجات دلائی، بلکہ دوسرے ہم وطنوں کے غلبے سے بھی نکالا۔ قائداعظم کی بدولت آج ہمارا اپنا وطن ہے اور ہم اس کے مالک و مختار ہیں۔

آزادی حاصل کرنے کی کوششوں میں ہمارے دوسرے بڑے لیڈر بھی شریک تھے اور انھوں نے بڑی بڑی قربانیاں بھی دیں اور آزادی کے لیے راستہ ہموار کیا۔ ان رہنماؤں کا بھی ہم پر بڑا احسان ہے اور ہم ان کو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ ان کی زندگیاں اور ان کے کارنامے ہمیشہ کے لیے مشعلِ راہ رہیں گے، لیکن قائداعظم کو اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی خصوصیات دی تھیں کہ انھوں نے اپنی ذہانت اور عقل مندی سے برصغیر کے مسلمانوں کو متحد کر کے مسلم لیگ کے پرچم تلے اکٹھا کیا اور مخالفوں کی چالوں کو ناکام کر کے پاکستان بنا دیا۔

ہمیں قائداعظم کی زندگی کے حالات کا بڑے غور سے مطالعہ کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ان میں وہ کیا خوبیاں تھیں کہ وہ ایک معمولی آدمی سے بڑے آدمی بنے اور پھر انھوں نے اپنی قوم کے کروڑوں انسانوں کو روشنی دکھائی۔ قائداعظم علم حاصل کرنے کے شوقین، محنتی، دیانت دار، سچ بات کہنے والے، اصولوں کی پابندی کرنے والے، وعدے کا پاس کرنے والے اور نہ ڈرنے والے انسان تھے۔ ان میں لالچ نہ تھا۔ ان میں حوصلہ تھا۔ ان میں محنت اور صلاحیت سے روزی کمانے اور کامیابی حاصل کرنے کا جذبہ تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی خود بنائی۔ قانون پڑھا اور اس میں بے مثال مہارت حاصل کی۔ انھوں نے اپنے علم اور مہارت سے قوم کو فائدہ پہنچایا۔ قوم نے ان کو اپنا باپ بنایا۔ بابائے ملت کا نمونہ تمھارے سامنے ہے۔ تم اس نمونے کے مطابق بن کر خود بھی اپنا نام روشن کر سکتے ہو اور پاکستان کا نام بھی روشن کر سکتے ہو۔

(ہمدرد نونہال دسمبر ۱۹۹۰ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اس مہینے کا خیال

دوست کی غلطی کو بھلا دو، اگر وہ سچا
دوست ہے تو اور پکا دوست ہو جائے گا

ستمبر ۲۰۱۵ء کا ہمدرد نونہال پیش ہے۔ ستمبر کا مہینا کئی لحاظ سے اہم ہے۔ بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی رحلت اسی مہینے میں ہوئی۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہماری بہادر فوج اور پوری قوم نے ایک دشمن ملک کے حملے کو پسپا کر کے فتح حاصل کی اور عزم و ہمت کی ایک لازوال مثال قائم کی۔ اپنے ملک کی بقا اور ترقی کے لیے ہمارے بہادر سپاہی اور نوجوان ہمیشہ اسی مثال پر عمل کریں گے۔

ہمدرد نونہال کے قارئین کے لیے یہ افسوس ناک خبر بھی تکلیف دہ ہوگی کہ ہمدرد نونہال میں بہت مزے دار اور سبق آموز کہانیاں لکھنے والے وقار محسن اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آہ! میں نے ان کی بیگم سے ان کے حالات لکھنے کی درخواست کی ہے۔ ان کے حالات مل گئے تو آیندہ شمارہ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں شامل کروں گا۔

اچھا ایک ضروری بات رسالہ پڑھنے والوں سے یہ کہنی ہے کہ بعض نونہال بلاعنوان کے ایک کوپن پر ایک کے بجائے دو نام یا دو عنوانات لکھ دیتے ہیں، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

اچھا دوستو! دعا کرو، صحت بہتر رہے اور کچھ دن اور خدمت کر لوں۔ ☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بُخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

مرسلہ : سمیہ محمود قریشی، لیاقت آباد

حضرت علی کرم اللہ وجہ

مشکلات کا مقابلہ صبر سے اور دشمن کا مقابلہ ذہانت سے کرو۔ مرسلہ: کرن فدا حسین، فیوچر کالونی

حضرت رابعہ بصریؒ

حریص اور حاسد کبھی چین نہیں پاتے۔

مرسلہ : صنم آفریدی، جعفر آباد

ابنِ جوزیؒ

اصل کمال علم اور عمل دونوں کو جمع کرنے میں ہے۔

مرسلہ : اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا، اس پر عمل کرنا اور پھر دوسروں کو سکھانا ہے۔

مرسلہ : سیدہ عطیہ محمد علی، میر پور خاص

بقراط

اعتماد روح کی طرح ہوتا ہے۔ ایک دفعہ چلا جائے تو پھر واپس نہیں آتا۔

مرسلہ : عرشیہ نوید، کراچی

قائداعظم محمد علی جناح

کفایت شعاری ایک اہم قومی فریضہ ہے۔

مرسلہ : محمد اختر، کراچی

شیکسپیئر

جس چیز کو سنوار نہ سکو، اسے بگاڑو بھی نہیں۔

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

کنفیوشس

ایک اندھا اگر دوسرے اندھے کی قیادت کرے گا تو دونوں ہی غار میں گریں گے۔

مرسلہ : فرازیہ اقبال، عزیز آباد

آئن اسٹائن

ذہانت اور بے وقوفی میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ ذہانت کی ایک حد ہوتی ہے۔

مرسلہ : زینب ناصر، فیصل آباد

☆☆☆

حمدِ باری تعالیٰ

محمد مشتاق حسین قادری

دلا دے گناہوں سے نفرت الٰہی!
بدل دے بُری میری خصلت الٰہی!
چھڑا دے گناہوں کی عادت الٰہی!

بُرائی سے ہر دم بچا میرے مولا!
کروں تیری ہر دم عبادت الٰہی!
چھڑا دے گناہوں کی عادت الٰہی!

بچا راہِ شیطاں سے مجھ کو ہمیشہ
رہِ نیک کردے عنایت الٰہی!
چھڑا دے گناہوں کی عادت الٰہی!

اندھیرا ہمارے دلوں سے مٹا کر
جلا اس میں شمعِ محبت الٰہی!
چھڑا دے گناہوں کی عادت الٰہی!

مرے دل سے دنیا کی خواہش مٹادے
عطا کر مجھے اپنی اُلفت الٰہی!
چھڑا دے گناہوں کی عادت الٰہی!

پھنسا ہے محبت میں دنیا کی مشتاقؔ
ہٹا اس کے سر سے یہ آفت الٰہی!
چھڑا دے گناہوں کی عادت الٰہی!

جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ابھی سو برس پہلے کا قصہ ہوگا کہ ایک بزرگ دمشق کی جامع مسجد (جامع اموی) میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے۔ اتفاق سے اس دن ان کے گھٹنے میں تکلیف تھی اور وہ پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ استاد کی پیٹھ قبلے کی طرف ہوتی ہے اور اس کے شاگرد سامنے بیٹھے ہوتے ہیں۔ شاگرد دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں۔ اس وقت استاد کا چہرہ دروازے کی طرف تھا، پُشت قبلہ کی طرف تھی اور پاؤں دروازے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے۔

ابراہیم پاشا اس زمانے میں شام کا گورنر تھا۔ اس کی سفاکی اور بے رحمی کے قصے لوگوں کی زبانوں پر تھے۔ اس کو خیال آیا کہ میں حضرت کا درس جا کر سنوں اور ملاقات کروں۔ راستہ ہی وہ تھا، اس لیے وہ پہلے دروازے کی طرف سے آیا۔

سب کا خیال تھا کہ استاد کو ہزار تکلیف ہو، اس موقع پر اپنا پاؤں سمیٹ لیں گے، لیکن انھوں نے بالکل جنبش نہیں کی، نہ درس دینا بند کیا، نہ پاؤں سمیٹا، اسی طرح پاؤں پھیلائے رہے۔

ابراہیم پاشا پاؤں ہی کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔

ان کے شاگرد خوف سے لرز اُٹھے کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے، کیا ہمارے شیخ کی شہادت ہماری آنکھوں کے سامنے ہوگی یا تذلیل ہوگی کہ مشکیں باندھ لی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ لے چلو۔

ابراہیم پاشا کھڑا رہا اور وہ دیر تک درس دیتے رہے۔ نگاہ اُٹھا کر دیکھا تک نہیں، پاؤں بھی نہیں سمیٹا، مگر خدا جانے اس پر کیا اثر ہوا کہ اس نے کچھ کہا نہیں، کوئی غصہ نہیں کیا، کوئی شکایت نہیں کی اور چلا گیا۔

وہ کچھ ایسا معتقد ہوا کہ اس نے جا کر اشرفیوں کا ایک تھیلا غلام کے ہاتھ بھیجا اور کہا: ''شیخ کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیں۔''

انھوں نے جواب میں جو کہا، وہ آبِ زر سے لکھنے والا جملہ تھا، جو علم کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ انھوں نے کہا تھا: ''گورنر کو سلام کہنا اور کہنا جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، یا پاؤں ہی پھیلا لے یا ہاتھ ہی پھیلا لے، ایک ہی کام ہوسکتا ہے دنیا میں، جب میں نے پاؤں پھیلائے تھے، میں اسی وقت سمجھتا تھا کہ اب میں ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔'' ☆

تحریر بھیجنے والے نونہال یاد رکھیں

☆ اپنی کہانی یا مضمون صاف صاف لکھیں اور اس کے پہلے صفحے پر اپنا نام اور اپنے شہر یا گاؤں کا نام بھی صاف لکھیں۔ تحریر کے آخر میں اپنا نام پورا پتا اور فون نمبر بھی لکھیں۔ تحریر کے ہر صفحے پر صفحہ نمبر بھی ضرور لکھا کریں۔

☆ بہت سے نونہال معلومات افزا اور بلاعنوان کہانی کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک کوپن ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ معلومات افزا کے صرف جوابات لکھا کریں۔ پورے سوالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ☆

عقل مندی کا تقاضا

مسعود احمد برکاتی

دنیا میں ہر آدمی دوسروں سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ کوشش کر کے اور جان بوجھ کر بھی سیکھتا ہے اور بغیر کوشش اور بے جانے بوجھے بھی سیکھتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے اور اس سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔ اس میں کوئی بُرائی بھی نہیں ہے۔ انسان ہر کام خود اپنی عقل سے نہیں کرتا۔ زیادہ تر باتیں دوسروں کو دیکھ کر سیکھتا اور اپناتا ہے۔ جب وہ دوسروں کو کوئی کام یا عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ اس کو اچھا لگتا ہے تو وہ بھی اسی طرح کرنے لگتا ہے۔ اس میں سہولت بھی ہے۔ ہر آدمی ہر کام اپنی عقل اور سمجھ سے نہیں کرتا۔ زیادہ تر کام ایسے ہیں جو وہ دیکھا دیکھی کرنے لگتا ہے اور ان کی اچھائی بُرائی پر غور نہیں کرتا۔ ہاں بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو وہ خود اپنی عقل سے کام لے کر کرتا ہے، لیکن ایسے کاموں کی تعداد بہت کم ہے۔

رسم و رواج بھی زیادہ تر اسی طرح اپنائے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے بزرگوں کو جو رسمیں کرتے دیکھا آپ بھی اسی طرح کرنے لگے۔ آپ نے اپنے کسی پڑوسی کو کوئی رسم کرتے دیکھا اور آپ کو وہ طریقہ پسند آیا، آپ نے بھی اس کو اپنا لیا۔ خیر، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر آپ دوسروں کی اچھی باتوں کو نقل کریں تو یہ دوسروں کے تجربوں سے فائدہ اُٹھانا ہوا اور یہ بے تعصبی اور عقل مندی کہلائے گی، لیکن اگر یہ عادت حد سے بڑھ جائے اور ہر بات میں آپ دوسروں کی نقل یا تقلید کرنے لگیں تو یہ اندھی تقلید ہوگی اور یہ قابلِ تعریف نہیں ہے۔

اگر دوسری قوموں کے کسی طریقے، کسی رسم یا کسی عادت کو اختیار کرنے سے پہلے یہ غور کرلیں کہ اس میں کیا اچھائی ہے اور کیا بُرائی ہے اور پھر اس کو اپنانے یا نہ اپنانے کا فیصلہ کریں تو یہ ہماری دانائی کہلائے گی۔ بعض طریقے اور رسمیں ایک قوم کے لیے مفید و موزوں ہوتی ہیں، ان کے مزاج اور حالات کے موافق ہوتی ہیں، لیکن دوسری قوم کے لیے مناسب نہیں ہوتیں۔ عقل مند لوگ ایسے طریقوں کو اختیار نہیں کرتے۔ وہ اپنے حالات پر غور کرتے ہیں، اپنی ضروریات کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر فیصلہ کرتے ہیں کہ ان کے لیے یہ انداز ٹھیک ہے یا نہیں اور ٹھیک ہے تو کس حد تک ٹھیک ہے۔ جس حد تک ٹھیک ہے اُس حد تک وہ اس طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔

کسی دوسری قوم کی اچھی باتوں کو نہ اپنانا بھی ایک قسم کا تعصب ہے۔ تعصب کرنے والا دوسروں کو جتنا نقصان پہنچاتا ہے، اس سے زیادہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اگر ہم کسی آدمی کی اچھی بات کو صرف اس لیے بُرا کہیں کہ وہ آدمی ہم میں سے نہیں ہے تو یہ کس کا نقصان ہوا؟ اس آدمی کا تو کیا بگڑے گا، آپ خود ہی ایک اچھی بات سے، ایک خوبی سے محروم رہ جائیں گے۔ دوسروں کی عمدہ مثالوں سے فائدہ اُٹھانا خوبی ہے۔ اگر کسی غریب قوم کے آدمی کا اخلاق اور کردار بہت اعلا اور اچھا ہے تو آپ بھی اپنا اخلاق ویسا ہی بنانے کی کوشش کیجیے، تاکہ لوگ آپ کی بھی تقلید کریں، آپ کی بھی مثال دیں۔

میں اس وقت صرف ایک مثال دوں گا۔ دوسری قومیں کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ نہیں کرتیں۔ وہاں کوئی ملاوٹ والی چیز نہ بن سکتی ہے، نہ بک سکتی ہے۔ یہ بات

نقل کرنے کی ہے۔ ہمارے ہاں مشکل ہی سے کوئی ایسی چیز ملتی ہے، جس میں ملاوٹ نہ ہو۔ ہم اس سے بہت سے نقصان اُٹھا رہے ہیں۔ ہماری صحت برباد ہو رہی ہے۔ صرف چند لوگوں کا فائدہ ہو رہا ہے، یعنی ان کا جو ایسی چیزیں بناتے ہیں، ان کا جو ایسی چیزیں بیچتے ہیں، ان کا جو سرکار کی طرف سے نگرانی پر مقرر ہیں، مگر رشوت لے کر ملاوٹ کی اجازت دے دیتے ہیں۔ یہ سب گناہ گار ہیں، قانون کے مجرم ہیں، اخلاق اور صحت کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ ان کی نقل نہ کیجیے۔ ان کو اچھا نہ سمجھیے، چاہے یہ آپ کے دوست ہوں یا بھائی۔ ایسے لوگ نہ آپ کے بھائی ہو سکتے ہیں نہ قوم کے دوست، بلکہ یہ لوگ دشمن ہیں۔ دیانت کے دشمن، سچائی کے دشمن، مذہب کے دشمن، قوم کے دشمن اور آپ کے دشمن، جب بھی ان سے واسطہ پڑے، جہاں بھی سامنا ہو ان کی عزت نہ کیجیے، ان سے دوستی نہ کیجیے، ان کی شادی غمی میں شریک نہ ہوئیے، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ غلط کام کر رہے ہیں اور وہ اس کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

میں نے کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کی صرف ایک مثال دی ہے۔ دوسری بُرائیاں کرنے والے بھی اور اخلاقی جرم کرنے والے بھی اسی سلوک کے مستحق ہیں۔ یہی ہماری عقل مندی کا تقاضا ہے، اسی میں ہماری بھلائی ہے اور اسی طرح ہمارے اخلاق کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

دوسری قومیں اسی طرح ترقی کر رہی ہیں۔ ان کی اچھی باتیں سیکھ کر اور بُری باتوں سے بچ کر ہم بھی ترقی کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

نبی اور رسول

حضرت آدم علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی اور دنیا کے اولین انسان تھے۔ جنت سے زمین پر آئے۔ ۹۶۰ سال کی عمر پائی۔ ابوالبشر (سب انسانوں کے باپ) اور صفی اللہ (اللہ کے برگزیدہ) اُن کے القاب (لقب کی جمع) ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے۔ جب نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ اور حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے خدا سے درخواست کی کہ منکروں کو سزا دی جائے۔ جب دعا قبول ہوئی تو اُن کی قوم پر طوفان کی صورت میں عذاب آیا، مگر جو لوگ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے، اُن کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

خمسہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پانچ حواس (حس کی جمع، محسوس کرنے کی صلاحیت) عطا کیے ہیں۔ یہ حواس خمسہ (خمسہ عربی زبان میں پانچ کو کہتے ہیں)۔ باصرہ (دیکھنے کی حس)، شامہ (سونگھنے کی حس)، لمسہ (چھو کر معلوم کرنے کی حس)، ذائقہ (چکھنے کی حس) اور سامعہ (سننے کی حس)۔

اردو ادب میں عناصر خمسہ ان پانچ شخصیات کو کہا جاتا ہے۔ سر سید احمد خاں، علامہ شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا محمد حسین آزاد۔

۲۵ دسمبر، سال گرہ

قائداعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد جناح پونجا تاجر تھے۔ قائداعظم نے قانون کی اعلا تعلیم انگلستان سے حاصل کی۔ ہندستان کے مسلمانوں نے طویل جدوجہد کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں نیا وطن ''پاکستان'' حاصل کیا۔ محترمہ فاطمہ جناح ان کی چھوٹی بہن تھیں۔

تحریکِ پاکستان کے ایک اور سرگرم رہ نما چوہدری خلیق الزماں کی سال گرہ بھی ۲۵ دسمبر کو منائی جاتی ہے۔ انھوں نے ۲۵ دسمبر ۱۸۸۹ء میں لکھنؤ میں آنکھ کھولی۔ مشہور سائنس داں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی ان کے بھائی تھے۔

ہمدرد

ہمدرد، فارسی کا لفظ ہے، جس کے معنی دکھ درد کا ساتھی اور غم خوار ہیں۔ اس نام سے سب سے پہلے دہلی میں ۱۹۰۶ء میں ایک دواخانہ حکیم عبدالمجید نے قائم کیا۔ یہ شہید حکیم محمد سعید کے والدِ محترم تھے۔ جب شہید حکیم محمد سعید جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستان آئے تو انھوں نے کراچی میں ''ہمدرد'' کے نام سے ادارہ بنایا، جو آج پاکستان کا ایک بڑا فلاحی اور طبی صحت و دوا سازی کا ادارہ ہے۔

ہمدرد کے نام سے تحریکِ پاکستان کے دوران ایک اخبار مولانا محمد علی جوہر نے دہلی سے ۱۹۱۳ء میں جاری کیا۔ مولانا محمد علی جوہر مسلمانوں کے رہ نما اور بہت بڑے صحافی تھے۔ ہمدرد میں حکومت پر تنقید کی جاتی تھی، جس پر ناراضگی کا اظہار ہوا۔ اس وجہ سے اس اخبار کو جلد ہی بند کرنا پڑا۔ ☆

خواب اور حقیقت

پروفیسر مشتاق اعظمی، آسنسول

ماہ نامہ ''جھولا'' نئے نئے موضوعات پر شان دار نمبر پیش کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس بار اس کا خاص نمبر ''خواب نمبر'' کی شکل میں نکلنے والا تھا۔ ایک دل چسپ خواب کے ساتھ شریک ہونے کا دعوت نامہ میرے پاس بھی آیا تھا۔ رسالے کے مدیر نے خواب کی فرمائش کے ساتھ یہ خوش خبری بھی سنائی تھی کہ ''خواب نمبر'' کے لیے منتخب ہر مضمون کا معقول معاوضہ بھی دیا جائے گا۔

کالج ایک عرصے سے بند تھا۔ چھٹیوں میں، میں نے کچھ نئی کہانیاں لکھی تھیں، لیکن ان میں سے کوئی کہانی ''جھولا'' کے لیے کار آمد نہیں تھی۔ ''جھولا'' کے لیے ایک خاص قسم کی کہانی چاہیے تھی اور اس کے لیے مجھے اپنی بہت سی نئی اور پرانی یادداشتوں کو یک جا کرنا پڑا۔ کافی تلاش و فکر کے بعد میرے ذہن نے بہت دنوں پہلے کا دیکھا ہوا ایک نہایت دل چسپ اور سبق آموز خواب ڈھونڈ نکالا۔ اب مجھے اس خواب کے غیر ضروری حصوں کو نکال کر اور سجا کر ایک کہانی کی شکل دے دینی تھی۔

آج طبیعت بہت خوش تھی اور میں لکھنے کے موڈ میں تھا۔ گھر کے ضروری کاموں سے جو میرے ذمے تھے، نمٹ لینے کے بعد تقریباً دس بجے میں کہانی لکھنے کے ارادے سے بیٹھا۔ کاغذ میز پر رکھا تھا اور کھلا ہوا قلم میری انگلیوں میں تھا۔ میرا ذہن کہانی کی ترتیب میں مصروف تھا۔ اتنے میں پاس والے کمرے سے ابا جان نے مجھے آواز دی۔ میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں نے قلم میز پر رکھ دیا اور ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے ایک منی آرڈر فارم میری طرف بڑھایا اور میز کی دراز سے دس رپے کے دو نوٹ نکال کر

مجھے دیتے ہوئے کہا: ''جاؤ، آج ہی یہ رُپے بھیج دو۔ ان کا پہنچنا ضروری ہے۔''

ملاحظہ فرمایئے ہمارے بزرگوں کی کرم فرمائیاں۔ ہماری ضرورت ان کو ٹھیک ایسے ہی وقت محسوس ہوگی، جب ہم کسی دوست سے گپ شپ میں مصروف ہوں یا کوئی مزے دار کہانی یا ناول پڑھ رہے ہوں۔ یا پھر کسی دل چسپ پروگرام میں جانے کی تیاری کر رہے ہوں۔

نہ چاہتے ہوئے بھی میں رُپے اور فارم جیب میں رکھ کر نکلا تو ابا جان نے مجھے پکارا: ''سنو......!'' نہ جانے اب کیا حکم ہونے والا تھا۔

منی آرڈر بھیجنے کی فیس تو تم نے لی ہی نہیں۔ یہ سکے رکھ لو۔ جو پیسے واپس ہوں ان کے پوسٹ کارڈ لیتے آنا۔''

ڈاک خانے پہنچا تو وہاں منی آرڈر بھیجنے والے آدمیوں کی ایک لمبی قطار پہلے ہی سے موجود تھی۔ میں قطار میں کھڑا ہو گیا۔ ایک گھنٹے سے پہلے میری باری آنے والی نہیں تھی اور یہ ایک گھنٹا مجھے کسی نہ کسی طرح گزارنا تھا۔ میرا موڈ خراب ہو رہا تھا اور نہ جانے اُلجھن کے باعث میرا کیا حال ہوتا، اگر میرے خیالات کا رُخ یکا یک میری زیرِ تکمیل کہانی کی طرف نہ مڑ گیا ہوتا۔ میں اپنی تازہ کہانی اور دوسرے الفاظ میں ''دل چسپ خواب'' کو سجانے لگا۔

میں اُس وقت چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ چڑیوں کے شکار کا مجھے بے حد شوق تھا۔ یوں سمجھیے کہ یہی میری فرصت کا بہترین شغل تھا۔ میرا نشانہ بڑا پختہ تھا۔ کبوتر ہو یا فاختہ یا بگلا، میری غلیل کی ہلکی سی ''ٹھائیں'' کے بعد اس کا پھڑ پھڑا کر زمین پر آ جانا یقینی تھا۔ ابا جان اکثر اس کے لیے مجھے بڑی سخت سزائیں دیتے تھے، کیوں کہ وہ پرندوں کے شکار کے سخت مخالف ہیں۔ کئی بار سزا پانے کے باوجود بھی میں اس پُر لطف شوق کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا، لیکن آج جب کہ میں بڑا ہو گیا ہوں اور پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہوں، پرندوں کے

شکار کے خیال سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا، مگر یہ سچ ہے۔ یہ

تبدیلی میرے اندر یکا یک پیدا ہوگئی۔ کیسے؟

ایک شام میں نے اسکول سے واپس آ کر کتابیں میز پر پٹخ دیں۔ نیکر کی ایک جیب میں غلیل رکھی اور دوسری جیب میں پتھر کے گول گول سے ٹکڑے بھر لیے۔ میں چاہ رہا تھا کہ امی کو پتا نہ چلے کہ میں شکار کرنے جا رہا ہوں، ورنہ مجھے جانے نہ دیں گی اور مجھے رکنا پڑے گا، مگر اتنی احتیاط کے باوجود انھوں نے تیور دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ برخوردار کا ارادہ کیا ہے۔

''میں پوچھتی ہوں تمھیں مار کھانا اچھا لگتا ہے کیا؟ بے چارے بے گناہ پرندوں کو ستانے میں تمھیں کیا مزہ ملتا ہے۔ کم از کم اس موسم میں تو انھیں چین سے رہنے دو۔ یہ ان کے انڈے بچے دینے کا زمانہ ہے۔ کیوں ان کی بددعائیں لیتے ہو؟'' آج امی محض اپنی

عادت اور ابا کے حکم کی بنا پر مجھے ڈانٹ رہی تھیں، ورنہ دراصل آج ان کا موڈ بہت اچھا تھا، اس لیے ان کی نصیحت سے میں متاثر نہ ہو سکا اور یہ کہہ کر کہ جس جانور کو اللہ میاں نے حلال بنایا ہے، اس کا شکار کرنے میں کیا بُرائی ہے؟ میں نکل گیا۔

غلیل اب میرے ہاتھ میں تھی اور میرے قدم تیزی سے باغ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اچانک میں ٹھٹکا۔ میری نظر سامنے والے بنگلے کی منڈیر پر جم گئی۔ ایک مینا بہت اچھے موقع سے بیٹھی تھی۔ میں نے جیب سے ایک پتھر نکال کر آہستہ سے غلیل میں لگایا اور نشانہ تاک کر ایسا مارا کہ پتھر مینا کو لگنے کے بجائے منڈیر سے ٹکرا کر واپس ہوا اور میری داہنی آنکھ میں لگا۔ میں درد کی شدت اور تکلیف سے چیخ پڑا۔ مجھے چکر سا آ گیا۔

پھر میری آنکھ کھل گئی۔ ارے یہ تو میں خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ یہ محض خواب ہی تھا۔ غالباً اللہ میاں نے یہ ڈراؤنا خواب مجھے اس لیے دکھایا تھا کہ میں بے وجہ پرندوں کو ستانا چھوڑ دوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا، اس خواب سے میں اس قدر متاثر اور ہراساں ہوا کہ اس دن سے چڑیوں کے شکار سے توبہ کر لی۔ اب جب بھی میں کسی پرندے کو نشانہ بنانے کے لیے غلیل اُٹھاتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پرندہ اُڑ گیا ہو اور پتھر کسی مُنڈیر سے ٹکرا کر تیزی سے میری طرف واپس آ رہا ہو۔ میں خوف زدہ ہو کر غلیل پھینک دیتا ہوں۔ کہانی مکمل ہو گئی۔ اب مجھے گھر پہنچ کر لکھ ڈالنا چاہیے۔

''خاموش کیوں کھڑے ہیں صاحب! لائیے منی آرڈر فارم دیجیے۔'' کلرک کی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ میں کہانی کی ترتیب میں کچھ ایسا کھو گیا تھا کہ مجھے خیال بھی نہ رہا کہ میری باری آ گئی ہے اور میں کاؤنٹر کے پاس پہنچ چکا ہوں۔ میں نے منی آرڈر فارم کلرک کے ہاتھ میں دے دیا اور روپے نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو میرے پاؤں

تلے سے زمین سرکتی ہوئی معلوم ہوئی۔ رپے جیب میں نہیں تھے۔ قمیص اور پتلون کی جیبیں ٹٹول ڈالیں۔ صرف سکے باقی رہ گئے تھے، نوٹ غائب تھے۔

میں نے اپنے ہاتھ میں چٹکی لی کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں، مگر یہ خواب نہیں تھا، حقیقت تھی۔ لائن میں کھڑے ایک صاحب نے کہا: ”جلدی ہٹیے بھی صاحب! کیا کر رہے ہیں آپ؟“

ایک اور صاحب کو جلدی تھی، بولے: ”ارے بھئی مکھیاں مار رہے ہو کیا۔ اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟“

پیچھے لائن میں کھڑے ہوئے لوگوں کی آوازیں میری بے بسی اور پریشانی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ میں نے کلرک سے فارم واپس لے لیا اور چپ چاپ وہاں سے نکل گیا۔ ☆

ٹکٹوں کی چوری

جاوید بسام

اس دن میاں بلاقی شمالی قصبے آیا ہوا تھا۔ وہ بگھی دوڑاتا عجائب گھر کے آگے سے گزر رہا تھا کہ سڑک کے کنارے کھڑے ایک آدمی نے رکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے لمبا سا کوٹ پہن رکھا تھا اور چہرے پر گول شیشوں والی عینک تھی۔ بلاقی نے بگھی روک لی۔

آدمی بولا: ''میاں کوچوان! میسم ٹاؤن چلو گے؟''

''ہاں ضرور۔'' بلاقی بولا۔ پھر پیسے طے کر کے سامان بگھی کے پچھلے حصے پر رکھا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

قصبے سے باہر نکل کر دونوں نے باتیں شروع کر دیں۔ آدمی کا نام ''گریس'' تھا۔
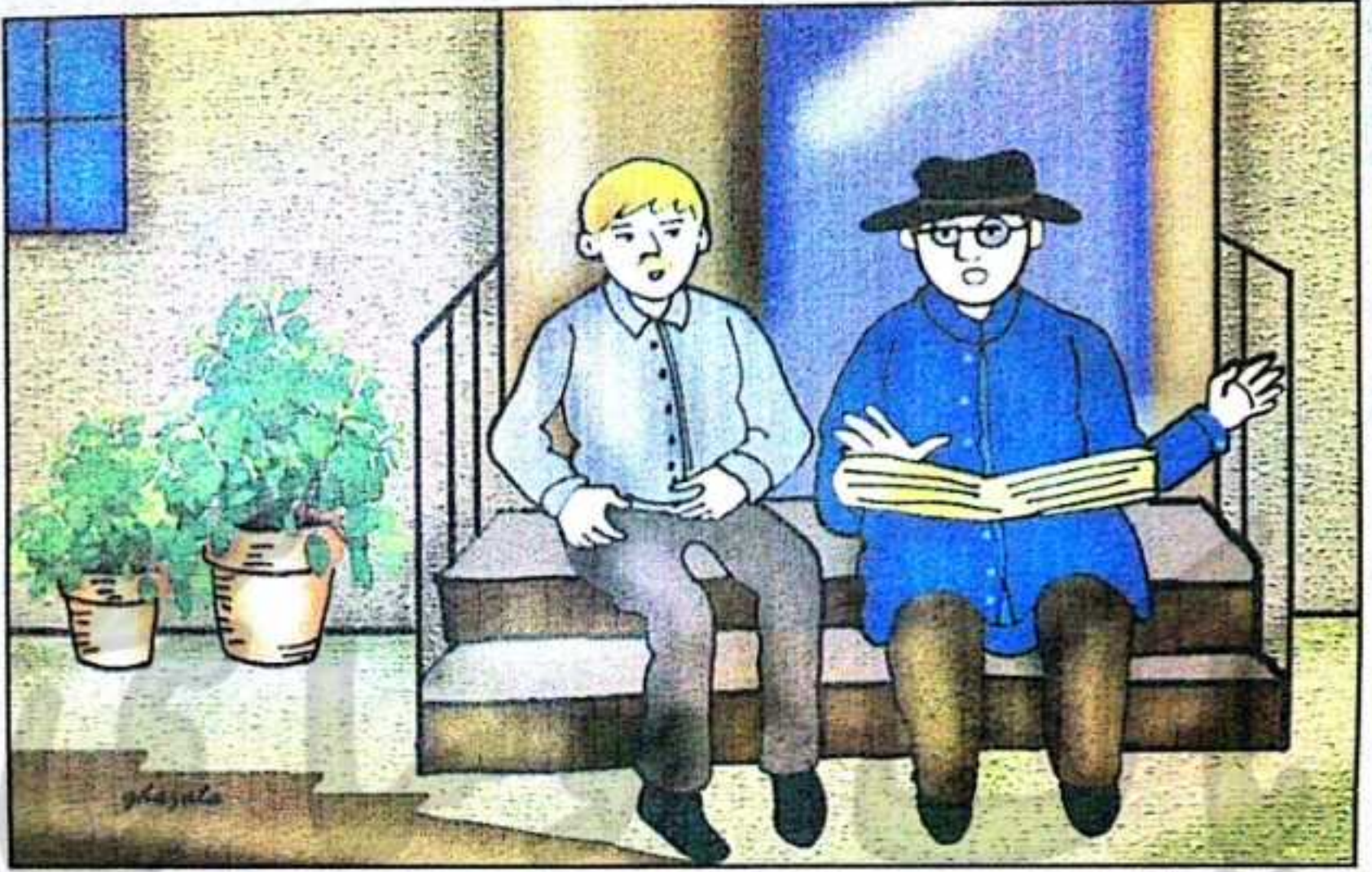
وہ دانتوں کا ڈاکٹر تھا اور پڑھا لکھا معزز آدمی تھا۔ وہ بولا: ''میں یہاں عجائب گھر کے نگراں سے ملنے آیا تھا۔ اس نے مجھے خط لکھ کر بلایا تھا۔''

''کوئی خاص کام تھا؟'' بلاقی نے پوچھا۔

''ہاں، میں ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا شوقین ہوں۔ میرے پاس کئی نادر و نایاب ٹکٹ ہیں۔ تم نے ٹرائی فیری کا نام سنا ہوگا؟''

''نہیں یہ کیا چیز ہے؟''

''یہ ڈاک کے ٹکٹوں کا ایک سیٹ ہے، جس میں تکونی شکل کے تین ٹکٹ ہیں، اتفاق سے ایسے ٹکٹ دنیا میں میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہیں۔''

''پھر تو ان کی قیمت بہت زیادہ ہوگی؟''

''ہاں، عجائب گھر والے انھیں دس ہزار ڈالر میں خریدنے کے لیے تیار ہیں، لیکن میں نے انکار کر دیا ہے۔''

''کیوں؟'' بلاقی نے حیرت سے پوچھا۔

مسٹر گریس نے ایک گہری سانس لی اور بولے: ''دراصل میں اپنے ٹکٹوں کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ میں نے انھیں بہت محنت سے جمع کیا ہے۔ اس صندوق میں میری زندگی بھر کی محنت ہے، خاص طور پر ٹرائی فیری۔ وہ ٹکٹ اتنے خوب صورت ہیں کہ تم انھیں دیکھو تو ان کے سحر میں گرفتار ہو جاؤ۔ ان پر تین خوب صورت پریاں بنی ہیں، جو آسمانوں کی سیر کر رہی ہیں۔''

بلاقی نے مرعوبیت سے گردن ہلائی۔ اب وہ جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ مسٹر گریس خاموشی سے باہر دیکھ رہے تھے اور بلاقی توجہ سے بگھی چلا رہا تھا۔ اچانک وہ بولے: ''کوچوان! بگھی روکو، اس علاقے میں ایک بُوٹی اُگتی ہے جو دانتوں کے درد کے لیے مفید ہے۔ میں وہ توڑ لوں۔''

ان کی نظریں کچھ دور جھاڑیوں کا جائزہ لے رہیں تھیں۔

بلاقی نے بگھی روکی اور بولا: ''میں مدد کے لیے چلوں؟''

''نہیں میں بس ابھی آیا۔'' وہ اُتر کر گھنی جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔

بلاقی اپنی نشست پر سستانے لگا۔ اسی طرح آدھا گھنٹا گزر گیا۔ مسٹر گریس کا کہیں پتا نہ تھا۔ بلاقی فکر مندی سے سوچ رہا تھا کہ جا کر دیکھوں، کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا، لیکن وہ درختوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے ان کے ہاتھ میں پودوں کا ایک گٹھا تھا۔ قریب آ کر

وہ بولے: ''بھئی، ڈھونڈنے میں دیر لگ گئی، ابھی اس کے اُگنے کا موسم شروع نہیں ہوا۔''

بلاقی نے پودوں کا گٹھا لے کر پیچھے رکھ دیا۔ وہ فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گئے اور باقی سفر خاموشی سے طے ہوا۔

میسم ٹاؤن پہنچ کر مسٹر گریس نے اپنے علاقے کا نام بتایا۔ وہ وہاں پہنچے۔ بلاقی نے سامان اُتار کر سیڑھیوں پر رکھا۔ مسٹر گریس اسے اُجرت دے کر بولے: ''آؤ ٹرائی فیری دیکھ لو۔''

''نہیں رہنے دیں۔'' بلاقی نے ہلکے سے کہا۔

''دیکھ لو، نایاب چیز ہے۔'' وہ بولے اور صندوق کھول کر ٹکٹوں کی ایک البم نکالی۔ وہ سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئے۔ مسٹر گریس صفحے پلٹ رہے تھے، بلاقی دل چسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بولے: ''ہاں اس اگلے صفحے پر وہ ٹکٹ لگے ہیں۔''

انھوں نے صفحہ پلٹا پھر ایک دم چونک اُٹھے: ''ارے! ٹرائی فیری کہاں گئے؟''

بلاقی نے دیکھا کہ ایک جگہ سے تین ٹکٹ غائب تھے۔ مسٹر گریس پریشانی سے صفحے پلٹ رہے تھے۔ پھر وہ چلّائے: ''ہائے! میں لُٹ گیا، میرے نایاب ٹکٹ چوری ہو گئے، عجائب گھر سے نکلتے وقت میں نے انھیں احتیاط سے رکھا تھا۔''

پھر وہ یکدم چونکے: ''تم ...... تم نے وہ ٹکٹ چرائے ہیں۔''

بلاقی گھبرا کر بولا: ''نہیں میں نے تو وہ ٹکٹ دیکھے بھی نہیں۔''

لیکن مسٹر گریس نے اسے پکڑ لیا اور چور چور چلّانے لگے۔ اسی دوران وہاں پولیس کی ایک گشتی وین آ نکلی۔ پولیس افسر دونوں کو تھانے لے گیا۔ مسٹر گریس نے واقعے کی تفصیل سنائی ان کا کہنا تھا کہ جب میں جنگل میں پودے تلاش کر رہا تھا، اس نے ٹکٹ چوری کر لیے۔

بلاقی بولا: ''میں نے چوری نہیں کی۔ آپ میری تلاشی لے لیں۔''

افسر نے تلاشی لی، لیکن ٹکٹ نہیں ملے۔

مسٹر گریس چلائے: ''اس نے کہیں چھپا دیے ہوں گے۔ اسے گرفتار کرلو اور کل عدالت میں پیش کرنا۔''

بلاقی کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہ خاموش اور تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اگلے دن اسے جج ہنری کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ وہ بلاقی کو دیکھ کر چونکے۔ بلاقی ان کا پرانا پڑوسی تھا۔ پولیس افسر نے تمام واقعہ بتایا۔ وہ بولا: ''ہم نے عجائب گھر کے نگراں سے معلوم کیا ہے۔ مسٹر گریس ان کے سامنے ٹکٹ البم میں لگا کر باہر نکلے تھے، پھر انھوں نے بگھی لی اور روانہ ہو گئے۔''

مسٹر گریس عدالت کے کٹہرے میں آئے۔ انھوں نے آبدیدہ ہو کر بتایا کہ وہ قیمتی ٹکٹ کس طرح غائب ہوئے۔ پھر بلاقی کو بلایا گیا۔ جج صاحب نے پوچھا: ''جب مسٹر گریس جنگل میں تھے، اس وقت تم کیا کر رہے تھے؟''

''میں ان کا انتظار کرتے ہوئے گھوڑوں سے باتیں کر رہا تھا۔'' بلاقی نے کہا۔

''گھوڑوں سے باتیں؟'' جج صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ہاں، میرے گھوڑے بہت عرصے سے میرے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ وہ میری باتیں سمجھتے ہیں۔ وہ کبھی گردن ہلا کر تو کبھی ہنہنا کر میری باتوں کا جواب دیتے ہیں۔''

مسٹر گریس بولے: ''جناب! یہ چالاک شخص عدالت کا وقت ضائع کر رہا ہے۔''

جج صاحب بولے: ''تم کہتے ہو تم نے ٹکٹ نہیں چرائے تو پھر وہ کہاں گئے؟''

''جناب! مجھے نہیں معلوم، لیکن مجھ پر الزام جھوٹا ہے۔ چوری میں نے نہیں کی۔''

عدالت کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ جج صاحب نے پولیس کو حکم دیا کہ معاملے کی اچھی طرح چھان بین کر کے اگلے دن پیش کیا جائے۔ پولیس نے بلاقی سے پھر پوچھ گچھ کی، لیکن وہ اپنی بات پر قائم رہا۔

دوسرے دن جب کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی تو اس کی ضمانت ہو گئی اور ایک ہفتے بعد بلایا گیا۔ اس طرح بلاقی کئی ہفتوں تک عدالت جاتا رہا، لیکن اس پر الزام ثابت نہ ہوا۔ پولیس نے مسٹر گریس اور بلاقی کے گھروں کی تلاشی بھی لی، لیکن ٹکٹ نہیں ملے۔ آہستہ آہستہ معاملہ ٹھنڈا ہو گیا، لیکن اکثر بلاقی جب فارغ بیٹھا ہوتا تو گہری سوچ میں گم ہو جاتا تھا۔

اس واقعہ کے ایک مہینے بعد بلاقی اخبار میں ایک خبر پڑھ کر چونک اُٹھا۔ لکھا تھا کہ مسٹر گریس نے انشورنس کمپنی میں دعوا دائر کیا ہے۔ مسٹر گریس نے کمپنی سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ ٹکٹ گُم ہونے کی صورت میں کمپنی انھیں پندرہ ہزار ڈالر ادا کرے گی۔ بلاقی باقاعدگی سے اخبار پڑھتا تھا۔ کچھ دنوں بعد خبر آئی کہ کمپنی نے انشورنس کی رقم ادا کر دی ہے۔ بلاقی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔ وہ ایک بڑی لائبریری گیا اور ڈاک کے ٹکٹوں کے متعلق کتابیں لے آیا۔ پھر انھیں توجہ سے پڑھ کر اہم باتیں ڈائری میں نوٹ کر لیں۔

اس واقعہ کو ایک سال بیت گیا تھا۔ ایک دن بلاقی نے اخبار میں پڑھا کہ قریبی شہر میں ٹکٹوں کی نمائش منعقد کی جا رہی ہے، جس میں ٹکٹ جمع کرنے والے اپنے اپنے ٹکٹ نمائش کے لیے لے کر آئیں گے۔ مسٹر گریس بھی اس میں شرکت کر رہے تھے۔

خبر پڑھ کر بلاقی نے آنکھیں بند کیں اور سوچ میں ڈوب گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی

منصوبہ بنا رہا ہو۔

نمائش شروع ہونے سے ایک دن پہلے بلاقی شہر گیا اور ایک ہوٹل میں ٹھیر گیا۔ نمائش لائبریری ہال میں شروع ہوئی۔ بلاقی بھی وہاں پہنچا۔ اس نے بھیس بدلا ہوا تھا۔ چہرے پر داڑھی، مونچھیں، آنکھوں پر چشمہ اور بہترین سوٹ میں وہ کوئی معزز آدمی لگ رہا تھا۔ وہ ہر اسٹال پر رُکتا ان کے ٹکٹوں کا جائزہ لیتا اور آگے بڑھ جاتا۔ آخر میں وہ مسٹر گریس کے پاس آیا اور دیر تک ان کے ٹکٹوں کا جائزہ لیتا رہا۔ مسٹر گریس اس کو بالکل نہیں پہچانے۔ اس کے چہرے پر خوشی نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ ان کے کوٹ پر لگے تعارفی کارڈ کو پڑھ کر بولا: ''مسٹر گریس! میں نے پوری نمائش دیکھی ہے، جتنی اچھی کلیکشن آپ کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں۔ بہت خوب، آپ ضرور گورنر کی طرف سے پہلا انعام حاصل کریں گے۔'' وہ معزز لوگوں کی طرح بول رہا تھا۔

''تعریف کا شکریہ جناب!'' مسٹر گریس بولے۔

''میں بہت دور سے یہ نمائش دیکھنے آیا تھا، اگر آپ کی کلیکشن یہاں نہیں ہوتی تو میرا آنا بے کار جاتا۔''

''آپ کون ہیں؟''

''کیوں نہ ہم کافی شاپ پر چلیں، باقی باتیں وہاں کریں گے۔'' بلاقی بولا۔

وہ باہر نکل کر کافی شاپ پر آئے اور ایک کیبن میں بیٹھ گئے۔ بلاقی نے کافی کا آرڈر دیا۔ پھر جیب سے بٹوا نکالا اور کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا۔ بٹوا بہت پھولا ہوا تھا۔ ایک کارڈ نکال کر انھیں دیا اور بولا: ''میرا نام گورمن ہے۔ میں صنعت کار ہوں۔''

اس نے بٹوا بے پروائی سے میز پر رکھ دیا تھا۔ اس میں سے بڑے نوٹ دکھائی دے رہے تھے۔

مسٹر گریس بولے: ''جناب! آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔''

بلاقی بولا: ''مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔ مجھے...... کچھ یاد آ رہا ہے۔ میں نے اخبار میں آپ کے بارے میں پڑھا تھا، شاید ٹکٹوں کی چوری کا مسئلہ تھا۔''

''جی ہاں، میرے ٹرائی فیری چوری ہو گئے تھے۔''

''ہاں، دراصل میں بھی ٹکٹوں کا بہت شوقین ہوں۔ میرے پاس کئی نادر و نایاب ٹکٹ موجود ہیں۔'' پھر بلاقی نے ٹکٹوں سے متعلق معلومات بیان کیں۔ اس نے مشہورِ زمانہ ٹکٹوں اور ان سے متعلق واقعات کا ذکر کیا۔ مسٹر گریس اس کی باتوں سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔

بلاقی حسرت سے بولا: ''کوئی بھی نایاب ٹکٹ میں فوراً خرید لیتا ہوں۔ میرے پاس بہت پیسا ہے۔ میں ٹرائی فیری بھی خریدنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے بیس ہزار ڈالر تک دینے کو تیار ہوں۔''

''بیس ہزار ڈالر!'' مسٹر گریس کی آنکھیں حیرت سے چمکنے لگیں۔

''جی ہاں اگر آپ کے پاس وہ ٹکٹ ہیں تو میں آپ کو پیش کش کرتا ہوں۔ یہ بات صرف ہمارے درمیان رہے گی۔''

''نہیں نہیں، وہ ٹکٹ میرے پاس نہیں ہیں۔'' مسٹر گریس ہکلا کر بولے۔

بلاقی بے ساختہ ہنسا اور بولا: ''جناب! میں ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میں نے اخبار میں انشورنس کی رقم کا پڑھا تھا اور آپ ان دنوں مالی پریشانی کا بھی شکار تھے۔''

مسٹر گریس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

بلاقی بولا: ''آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا۔ میں ایک دور دراز شہر میں رہتا ہوں۔ کسی کو ہماری ڈیل کا پتا نہیں چلے گا، بعد میں، میں کسی فرضی شخص کا نام لے دوں گا کہ ٹکٹ میں نے اس سے خریدے ہیں۔''

مسٹر گریس سوچ میں گُم تھے۔

بلاقی نے لوہا گرم دیکھ کر آخری چوٹ لگائی: ''چلیں میں پانچ ہزار اور بڑھاتا ہوں، پچیس ہزار ڈالر کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

مسٹر گریس گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

بلاقی بولا: ''میں کل رقم کے ساتھ اسی وقت آپ کا انتظار کروں گا۔''

مسٹر گریس تیزی سے باہر نکل گئے۔

بلاقی نے اپنے پلان کا پہلا مرحلہ طے کر لیا تھا۔ اب دوسرا مرحلہ رقم کا بندوبست کرنا تھا۔ بٹوے میں تو جعلی نوٹ چل گئے تھے، لیکن مسٹر گریس اطمینان کے بعد ہی رقم لیتے۔ اسے یقین تھا کہ مسٹر گریس ٹکٹ لے کر ضرور آئیں گے۔ وہاں سے اُٹھ کر وہ انشورنس کمپنی میں گیا۔ انھیں راضی کرنے میں اسے بہت محنت کرنی پڑی۔ پلان یہ بنا کہ بلاقی رقم لے کر کیبن میں انتظار کرے گا۔ پولیس اور انشورنس والے سامنے کے کیبن میں بیٹھ کر نگرانی کریں گے، ٹکٹ ہاتھ میں آتے ہی وہ انھیں اندر بلا لے گا۔

اگلے دن بلاقی کیبن میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا، مقررہ وقت پر مسٹر گریس نمودار ہوئے۔ وہ گھبرائے ہوئے تھے۔ بلاقی نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔ جب

دونوں اطمینان سے بیٹھ گئے تو بلاقی بریف کیس ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا: ''آج میری زندگی کا اہم دن ہے، میں اس کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

مسٹر گریس نے بریف کیس کھولا اور نوٹ چیک کرنے لگے۔ بلاقی مسکراتے ہوئے انھیں دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا: ''آپ مطمئن ہو گئے، لائیں ٹکٹ دیں۔''

مسٹر گریس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ بلاقی نے اسے کھولا اور ٹکٹ باہر نکال لیے: ''واہ! یہ بہت خوب صورت ہیں، میری سوچ سے بھی زیادہ۔'' وہ سحر زدہ لہجے میں بولا۔

پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا: ''میرا خیال ہے اتنی خوب صورت چیز کو چھپا کر نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ ساری دنیا کو دکھا دینا چاہیے۔''

اس نے بڑھ کر کیبن کا دروازہ کھول دیا۔ باہر بہت سے لوگ موجود تھے۔ پولیس نے فوراً مسٹر گریس کو گرفتار کر لیا۔

دو دن بعد سب عدالت میں پیش ہوئے۔ پولیس افسر نے تفصیل سنائی۔ میاں بلاقی ابھی تک مسٹر گورمن کے حلیے میں تھا۔ جج ہنری نے اس سے پوچھا: ''مسٹر گورمن! آپ نے یہ سب ڈراما کس وجہ سے کیا؟''

بلاقی بولا: ''جناب عالی! اس کی وجہ وہ دو راتیں تھیں، جو میں نے بے قصور جیل میں گزاری تھیں۔''

سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ بولا: ''میرا خیال ہے اب بھیس بدلنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے چشمہ اُتارا اور پھر داڑھی، مونچھیں بھی ہٹا دیں۔

جج صاحب کے منھ سے حیرت سے نکلا: ''بلاقی تم!''

''جی حضور! آپ کا خادم۔'' بلاقی ادب سے بولا۔

پھر اس نے بتایا کہ چوری کا الزام اور جیل میں بے قصور رہنا اسے بہت دنوں تک اذیت پہنچاتا رہا۔ اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس معاملے کو سلجھا کر رہے گا۔ لوگ حیرت سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

آخر بات عدالت تک پہنچی۔ مسٹر گریس کٹہرے میں آئے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ مالی پریشانی کا شکار ہیں، انشورنس کی رقم کے لیے انھوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ عجائب گھر سے نکلتے ہوئے انھوں نے ٹکٹ البم میں سے نکال کر لفافے میں ڈال لیے تھے، پھر اسٹاپ پر آ کر لفافہ لیٹر بکس میں ڈال دیا، لفافے پر اپنا ہی پتا لکھا تھا۔ جو ایک ہفتے بعد انھیں ملا۔ پولیس اس سے پہلے ان کے گھر کی تلاشی لے چکی تھی۔ مسٹر گریس کو جیل بھیج دیا گیا۔ بلاقی پر سے کیس ختم کر دیا گیا تھا۔

بلاقی عدالت سے باہر نکل رہا تھا کہ کسی نے اسے آواز دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو جج صاحب کا ملازم تھا۔ وہ بولا: ''صاحب تمھیں اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔''

بلاقی وہاں گیا۔ جج صاحب مسکرا کر بولے: ''آؤ میاں بلاقی! میں نے سوچا، اتنی محنت کر کے تم تھک گئے ہو گے، کیوں نہ تمھیں مزے دار چاے پلائی جائے۔''

بلاقی بولا: ''ضرور جناب! آپ کو یاد ہے کہ مجھے چاے کتنی پسند ہے۔''

''ہاں، میں تمھاری باتوں کو کبھی نہیں بھول سکتا۔''

دونوں خوش دلی سے ہنسے۔ پھر بیٹھ کر ان دنوں کی یادیں تازہ کرنے لگے، جب جج ہنری، بلاقی کے پڑوس میں رہتے تھے۔ دونوں رات کو شطرنج کھیلتے اور بلاقی اکثر احترام میں جان بوجھ کر خود ہار جاتا تھا۔ ☆

دین کی باتیں آسان زبان میں سمجھانے والی کتاب

نونہال دینیات

تعلیم و تربیت کی غرض سے بچوں کو ابتدا ہی سے دین سے روشناس کرانے اور دین کی ضروری باتیں ان کے ذہن نشین کرانے کے لیے ایک مستند کتاب، جس سے گھر میں رہ کر بھی بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت کی جا سکتی ہے۔ بچوں کی عمر اور قدم بہ قدم بڑھتی ہوئی سوچ کے لحاظ سے اس کتاب کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصہ رنگین، خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ اور ہدیہ انتہائی کم کہ بچے بھی اپنے ''جیب خرچ'' سے اسے حاصل کر سکتے ہیں۔

بچوں کے علاوہ بڑے بھی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ہدیہ حصہ اول۔ ۱۵ روپے / ہدیہ حصہ دوم۔ ۲۰ روپے / ہدیہ حصہ سوم۔ ۲۰ روپے / ہدیہ حصہ چہارم۔ ۳۰ روپے
ہدیہ حصہ پنجم۔ ۲۵ روپے / ہدیہ حصہ ششم۔ ۲۵ روپے / ہدیہ حصہ ہفتم۔ ۳۰ روپے / ہدیہ حصہ ہشتم۔ ۲۰ روپے

عربی زبان کے دس سبق

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی نے صرف دس اسباق میں عربی زبان سیکھنے کا نہایت آسان طریقہ لکھا ہے، جس کی مدد سے عربی زبان سے اتنی واقفیت ہو جاتی ہے کہ قرآنِ حکیم سمجھ کر پڑھ لیا جائے۔

اس کے علاوہ کتاب میں رسالہ ہمدرد نونہال میں شائع شدہ عربی سکھانے کا سلسلہ

عربی زبان سیکھو

بھی شامل ہے، جس سے کتاب زیادہ مفید ہو گئی ہے۔

عربی سیکھ کر دین کا علم حاصل کیجیے

۹۶ صفحات، خوب صورت رنگین ٹائٹل۔ قیمت صرف پچھتر (۷۵) روپے

ملنے کا پتا: ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

ننھے عبدالستار ایدھی

ڈاکٹر نزہت عباسی

آپ عبدالستار ایدھی صاحب کے نام سے تو ضرور واقف ہوں گے۔ ان کی زندگی انسانیت کے خدمت کے لیے وقف ہے۔ سماجی خدمات کے تعلق سے وہ ساری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ آج کل شدید بیمار ہیں۔ ان کے لیے دعا کریں کہ جلد صحت یاب ہو جائیں۔

آج ہم آپ کو ان کے بچپن کی چند باتیں بتاتے ہیں:

عبدالستار ایدھی بھارت کی ریاست گجرات کے شہر بانٹوا میں ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مختلف چیزوں کا کاروبار کرتے تھے۔ اسی وجہ سے زیادہ تر گھر سے دور رہتے۔ وہ جب باہر ہوتے تو خشک میووں کی گری، کاجو، پستے وغیرہ کے تھیلے بھر بھر کر گھر بھیجتے۔

ان کی والدہ اپنے اور ان کے حصے کا سارا میوہ نادار لوگوں میں تقسیم کر دیتیں، جو ان سے زیادہ ضرورت مند ہوتے تھے۔ یہ وہ عادت تھی، جو ان کی والدہ نے بچپن ہی سے ان کے اندر سمو دی تھی۔ وہ ہر روز اسکول جانے سے پہلے انھیں دو پیسے دیتیں، لیکن یہ ہدایت بھی کرتیں کہ وہ ان میں سے ایک پیسا ضرور کسی ضرورت مند کو دیں۔ وہ انھیں یہ بھی سمجھاتیں کہ کسی کو کچھ دینے سے پہلے یقین کر لیا کرو کہ تم سے خیرات لینے والا واقعی حق دار بھی ہے کہ نہیں۔

عبدالستار کی تربیت میں سب سے زیادہ ان کی والدہ کا ہاتھ رہا۔ وہ جیسے ہی اسکول سے واپس گھر آتے تو ان کی والدہ پوچھتیں کہ تم نے پیسوں کا کیا کیا؟ پھر کہتیں کہ ”دیکھو بیٹا! غریبوں کو ستانا اچھی بات نہیں۔ ان کی ہر ممکن مدد کیا کرو۔ اوپر والے کو (اللہ کو) راضی رکھنے کا یہی ایک راستہ ہے۔“

وہ جب ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے تو خوش ہوتیں اور دعا دیتیں۔ ان کی والدہ نے ان کی اچھی پرورش کے لیے حد سے زیادہ جدوجہد کرتے ہوئے بچپن میں ان کی جو تربیت کی تھی، اس نے انھیں اپنے آپ پر جبر کرنا سکھایا اور یہ سبق دیا تھا کہ کسی چیز سے محرومی اس لالچ سے بہتر ہے، جس کے بیج بونے سے اونچے درخت تو اُگیں، لیکن ان میں پھل نہ لگیں۔''

اچھی تربیت کے باعث وہ اس قابل ہو گئے کہ حقیقی ضرورت مندوں اور پیشہ ور گداگروں کے درمیان فرق کو جان سکیں۔ وہ آس پاس کی غریب بستیوں میں جا کر وہاں کے غریبوں، ناداروں اور ضرورت مندوں کی مشکلات معلوم کرتے اور واپس آ کر اپنی والدہ کو حالات سے آگاہ کرتے۔ والدہ انھیں کھانے پینے کی چیزیں اور دوائیں دے کر اُلٹے پاؤں واپس بھیج دیتیں۔ ان کی والدہ آس پاس کے گھروں کی پریشانیوں کو کم کرنے کے لیے اپنے آپ کو مصروف رکھتیں۔

ان کے والد کچھ رقم ماہانہ دیتے، جس سے آسانی سے گزر بسر ہو جاتی۔ اس کے باوجود ان کی والدہ دکان سے روئی کے بنڈل اُٹھا لانے کو کہتیں، جنھیں وہ معاوضے پر صاف کرتے۔ بھوسا اور چھلکا چولھا جلانے کے لیے رکھتے، باقی دُھنی ہوئی صاف روئی ایک بڑے بنڈل کی صورت میں پیٹھ پر اُٹھائے وہ بازار کے بیچوں بیچ راستہ دو، راستہ دو کی آوازیں لگاتے ہوئے دکان دار کو واپس دے آتے اور کام کی مزدوری لے کر واپس گھر آ جاتے۔

ان کی والدہ محنت کی عظمت پر پختہ ایمان رکھتی تھیں۔ ان کی والدہ رمضان کے مہینے میں دوسری خواتین کے ساتھ مل کر کھانے پینے کی چیزوں کے چھوٹے چھوٹے پیکٹ تیار کرتیں، جنھیں عبدالستار ایدھی رشتے داروں اور ناداروں کے چھوٹے چھوٹے گھروں کی

کھڑکیوں سے اندر ڈال دیتے۔ ان کی والدہ کہا کرتی تھیں کہ اصل خیرات یہی ہے کہ دائیں ہاتھ کا پتا بائیں ہاتھ کو نہ چلے۔ جس کی امداد کی جا رہی ہے اس کی عزتِ نفس بھی قائم رہے۔

عید کے دن صبح صبح ان کی والدہ غریب لوگوں کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق لفافوں میں پیسے رکھ کر اپنے بیٹے کو دیتیں اور عبدالستار تیزی کے ساتھ وہ لفافے ان غریبوں کے گھر میں پہنچا دیتے۔ والدہ کی ہدایت پر گلی کوچوں میں کسی معذور یا اپاہج کی مدد کے لیے تیار رہتے۔ اگر کوئی محتاج مل جاتا تو گھر سے فوراً ضروری سامان لے کر ضرورت مند کے حوالے کر دیتے۔

ان کی والدہ نے زندگی کے ابتدائی دنوں میں ان کے لیے سماجی خدمت کے کاموں کا جو انتخاب کیا، اسی نے ان کے دل میں انسان دوستی کی بنیاد رکھ دی تھی۔ انھوں نے قرآنِ پاک کو ترجمے کے بغیر اس کی بنیادی زبان عربی میں پڑھنے کی ابتدا کی۔ جب وہ گیارہ برس کے ہوئے تو نماز، روزے کے پابند ہو چکے تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں وہ کپڑے کی دکان پر ملازم ہو گئے۔ جو ماہانا معاوضہ ملتا، اس میں سے بچت کرتے۔ انھیں کم عمری سے ہی بچت کی عادت اور فضول خرچی سے نفرت تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ اپنے خاندان کے ساتھ کراچی آ گئے۔

یہاں ان کی والدہ کافی عرصے بیمار رہیں، عبدالستار ایدھی نے دل و جان سے رات دن ان کی خدمت کی۔ خدمت کے ایسے ہی جذبات سے سرشار عبدالستار ایدھی اب بھی پریشان انسانوں کی طرح طرح سے مدد کر رہے ہیں۔ آج عبدالستار ایدھی خدمتِ خلق کا قابلِ فخر نمونہ ہیں۔

اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں
ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

😊 ایک اخبار کے مالک نے ایڈیٹر کی ملازمت کے لیے آئے ہوئے اُمیدوار سے کہا: ''یوں تو آپ پڑھے لکھے اور قابل آدمی لگتے ہیں، لیکن مجھے اپنے اخبار کے لیے ایک بے حد ذمے دار شخص کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کامیابی سے اخبار چلا سکیں گے؟''

''بالکل جناب!'' اُمیدوار نے اعتماد سے کہا: ''یہاں سے پہلے میں اپنے مالک کی پندرہ لاکھ کی کار چلاتا تھا تو کیا آپ کا پندرہ رپے کا اخبار نہیں چلا سکوں گا۔''

مرسلہ : یٰسین عزیز، کراچی

😊 ایک مہمان پہلی بار کسی کے گھر آئے۔ باتوں کے دوران انھوں نے لڑکے سے پوچھا: ''تمھاری تعلیم کتنی ہے؟''

لڑکے نے کہا: ''تعلیم ایک زیور ہے اور زیور مَردوں پر حرام ہے۔''

مرسلہ : دانیا فاطمہ، واسعہ فاطمہ، حیدر آباد

😊 ایک دوست دوسرے دوست سے بولا: ''مجھے کیشیئر کی تلاش ہے۔''

دوسرا بولا: ''لیکن دو ماہ پہلے ہی تم نے کیشیئر رکھا تھا۔''

پہلے نے جواب دیا: ''اسی کی تو تلاش ہے۔''

مرسلہ : زینب ناصر، فیصل آباد

😊 باس سردار سے: ''میرے لیے ایک شیشہ لاؤ، جس میں میرا چہرہ اچھا دکھائی دے۔''

سردار: ''میں نے بہت ڈھونڈا، پر ایسا شیشہ نہیں ملا، جس میں آپ کا چہرہ نظر آئے۔ ہر ایک شیشے میں مجھے اپنا ہی چہرہ نظر آیا۔''

مرسلہ : فاطمہ صفدر، حاصل پور

😊 ایک مرغا مالک کو کھڑکی سے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ مالک بہت بیمار تھا۔ مالک کی بیوی اس کے پاس بیٹھی اور بولی: ''آپ کو بہت تیز بخار ہے۔ میں آپ کے لیے چکن سوپ

بنا دوں، مرغا تو گھر میں ہے۔ یہ سن کر مرغا گھبرا کر کھڑکی سے بولا: ''ارے پہلے بخار کی گولی دے کر تو دیکھ لیں۔''

مرسلہ : محمد اختر، کراچی

☺ مالک نے نوکر کو سزا دیتے ہوئے کہا: ''پچاس مرتبہ اُٹھک بیٹھک لگاؤ اور کہو، میں اُلو ہوں۔''

نوکر: ''اُٹھک بیٹھک تو سو بار لگا سکتا ہوں، لیکن آپ کو اُلو نہیں کہہ سکتا۔''

مرسلہ : عبدالحنان، ملتان

☺ الیکشن کے زمانے میں ایک سیاست داں اسپتال کے احاطے میں ٹہل رہا تھا کہ نرس نے آ کر مبارک باد دی اور کہا: ''آپ کے ہاں تین جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں۔''

سیاست داں خیالات سے چونکا اور جلدی سے بولا: ''یہ نہیں ہو سکتا، دوبارہ گنتی کراؤ۔''

مرسلہ : ناعمہ خالد بٹ، لاہور

☺ ایک آدمی (مصور سے): ''کیا آپ دس منٹ میں بندر کی تصویر بنا سکتے ہیں؟''

مصور: ''کیوں نہیں، اس اسٹول پر بیٹھ جائیے، میں ابھی بنا تا ہوں۔''

مرسلہ : محمد طارق قاسم، نواب شاہ

☺ ایک شخص اپنے بیٹے کو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گیا۔ لڑکے کی ٹانگ زخمی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا: ''تمھارے لڑکے کو بچانے کے لیے اس کی ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔''

آدمی بولا: ''مجھے پہلے پتا چل جاتا تو میں اس کے لیے نئے جوتے نہ خریدتا۔''

مرسلہ : محمد اُسامہ طاہر قریشی، نواب شاہ

☺ ایک انگریز نے سیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پھل والے سے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟''

پھل والے نے بتایا کہ یہ سیب ہے، تو اس انگریز نے حقارت سے کہا: ''اتنا چھوٹا! ہمارے ملک میں تو بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔''

پھر اس نے تربوز کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا: ''یہ کیا ہے؟''

پھل والے نے جواب دیا: ''پاکستانی انگور۔''

مرسلہ : عرشیہ نوید، کراچی

😊 ایک آدمی بینک میں پیسے جمع کروانے گیا۔ منیجر نے کہا: "تمھارے نوٹوں میں دو نوٹ نقلی ہیں۔"

آدمی: "تمھیں کیا فرق پڑتا ہے۔ جمع تو میرے اکاؤنٹ میں ہونے ہیں۔"

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

😊 دو بے وقوف موٹر سائیکل پر جا رہے تھے۔ ایک نے کہا: "موٹر سائیکل اتنی تیز کیوں چلا رہے ہو؟"

دوسرے نے جواب دیا: "بریک فیل ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ایکسیڈنٹ ہو جائے، جلدی سے گھر پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

پہلے نے کہا: "شاباش، اور تیز چلاؤ۔"

مرسلہ : عمیر مجمد، ٹوبہ ٹیک سنگھ

😊 ایک پڑوسی (دوسرے پڑوسی سے): "دیکھو بھائی...... تمھارا بیٹا میرے گھر کی دیوار کو گندہ کر رہا ہے۔"

دوسرا پڑوسی: "وہ تو پاگل ہے۔"

پہلا پڑوسی: "اگر پاگل ہے تو تمھارے گھر کی دیوار کو گندہ کیوں نہیں کرتا؟"

دوسرا پڑوسی: "اب اتنا بھی پاگل نہیں ہے وہ۔"

مرسلہ : حرا سعید شاہ، جوہر آباد

😊 شوہر: "تم ہمیشہ میرا گھر، میری کار ہی کہتی ہو۔ کبھی ہمارا بھی کہا کرو۔ اب الماری میں کیا ڈھونڈ رہی ہو؟"

بیوی: "ہمارا دوپٹا۔"

مرسلہ : سمیرا شمیم صدیقی،

😊 استاد (شاگرد سے): "تم بڑے ہو کر کیا بننا پسند کرو گے؟"

شاگرد: "برف فروش۔"

استاد (حیرت سے): "وہ کیوں؟"

شاگرد: "اس میں بہت منافع ہے۔"

استاد: "بھئی وہ کیسے؟"

شاگرد: "میں سردیوں میں سستے داموں برف خرید کر گرمیوں میں مہنگے داموں فروخت کروں گا۔"

مرسلہ : اسماء زیب، کراچی

☆☆☆

آفت

جاوید اقبال

ہر طرف ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ افراتفری کا یہ عالم تھا کہ ہر کوئی اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتا پھر رہا تھا۔ کسی کو کسی کی فکر نہیں تھی۔ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔

دراصل ایسی مصیبت اس سے پہلے آئی ہی نہ تھی۔ چھوٹے موٹے حادثات تو ہوتے رہتے تھے، مگر ایسی آفت اس سے پہلے نہیں دیکھی گئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے قضا پوری شدت سے ان پہ ٹوٹ پڑی ہو، ایک جناتی سا پنجا آتا اور کسی وجود کو اپنی گرفت میں

دبوچ کر لے اُڑتا، کوئی کونا، کوئی ٹھکانا اس کی دست برد سے محفوظ نہ تھا۔ وہ پنجا، چھپنے والوں کو اپنی دوربین نگاہوں سے ڈھونڈ نکالتا، ان کا پیچھا کرتا اور بے دردی سے دبوچ لیتا۔ اس کے بعد کچھ پتا نہ چلتا کہ اس بدقسمت کا کیا حشر ہوا۔

آج صبح تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ سب کچھ اپنے معمول کے مطابق جاری تھا کہ پہلے پانی کا سیلاب آیا۔ کئی تو اس طوفانی ریلے میں ہی بہ گئے۔ بچنے والوں پہ یہ جناتی پنجا قیامت بن کے ٹوٹ پڑا۔ تمام بڑوں کو اس نے چُن چُن کر اپنا شکار بنایا۔ چھوٹے اس خوش فہمی میں تھے کہ شاید وہ بچ گئے، مگر پھر ایک بڑے بڑے دندانوں والی بلا آئی۔ یہ بلا ایک ہی ہلّے میں بہت سوں کو اپنے ساتھ سمیٹ لے جاتی۔ جیسے فصل کی تیاری سے پہلے فالتو جھاڑ جھنکار کو ٹریکٹر کے ذریعے ختم کیا جاتا ہے، ایسے ہی ان کا صفایا کیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑی دیر پہلے جہاں کھوے سے کھوا چھل رہا تھا، سناٹا چھا گیا۔ یہاں تک کہ آفت کا شکار ہونے والوں پر کوئی رونے والا بھی نہ بچا۔

اس قدر تباہی کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ اس آفت کے لیے تیار ہی نہ تھے۔ اِدھر اُدھر چھپنے کے سوا ان کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس سے پہلے معمولی ہلچل تو ہو جاتی۔ جیسے ہی وہ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کمر کستے کوئی طاقت ور ہاتھ انھیں جھنجوڑ ڈالتا، سب کے سب اِدھر اُدھر اپنی پناہ گاہوں میں دَبک جاتے، مگر آج تو جیسے قضا ان پر ٹوٹ پڑی ہو، چُن چُن کر ان کا خاتمہ کیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب جوئیں اور لیکھیں ختم ہو گئیں۔

جوؤں پر ٹوٹنے والی اس قیامت سے بے نیاز سکینہ کی ماں سکینہ کے سر میں کنگھی کیے جارہی تھی۔ سکینہ کی کمر پر ایک ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے وہ بولیں: ”لے تیرے سر کی ساری جوئیں ختم ہو گئیں، کمبخت! کتنی بار کہا ہے کہ سر دھویا کر اور روز کنگھی کیا کر۔ سارا سر جوؤں سے بھرا پڑا تھا۔“

اور سکینہ منھ بسورتی اُٹھ کر چل دی۔ ☆

بکرا اور قسائی

محمد شاہد حفیظ۔ میلسی

اس بقرعید پر بکرے کی قربانی ہمارے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکی تھی۔ ہم بھی دل وجان سے اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے تیار تھے۔ ہم منڈی سے ایک عدد بکرا تو خرید لائے۔ اب ایک اور مسئلہ قسائی کا بندوبست کرنا تھا۔ چناں چہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ہم قسائی کی تلاش میں گھر سے چل دیے۔ آج کل کے دور میں قسائی ملنا آسان نہیں۔ ایک دوست کے بارے میں معلوم ہوا کہ ہمارے شہر کے مشہور قسائی جندو وڈا نے شہر کے وسط میں ''القصاب لمیٹڈ'' کے نام سے دفتر کھولا ہے۔ ہم پتا دریافت کرکے اس کے دفتر پہنچے۔ اندر داخل ہونا چاہتے تھے کہ ایک صاحب نے ہمیں دروازے

پر ہی روک لیا۔ نہایت لمبے تڑنگے، اور بڑی بڑی مونچھوں والے صاحب تھے۔ جنھیں دیکھ کے یوں لگتا تھا کہ چہرے پر مونچھیں نہیں، بلکہ مونچھوں پر چہرہ لگا رکھا ہے۔

معلوم ہوا کہ جناب چوکیدار ہیں، کہنے لگے: ''ارے کہاں اندر گھسے جا رہے ہو؟''

ہم نے کہا: ''جناب بکرا ذبح کروانا ہے''۔

''صاحب اس وقت میٹنگ میں مصروف ہیں۔ ویٹنگ روم میں انتظار کرو''۔

ویٹنگ روم کا سن کر ہم چونک پڑے کہ یہ نام سنا سنا سا لگتا ہے۔ خیر ہمیں کیا، ہمیں تو صرف بکرا ذبح کروانا ہے، اس لیے ہم ویٹنگ روم میں صوفے پر دراز ہو گئے۔ دیوار پر نظر دوڑائی تو کلاک بارہ بجا رہا تھا۔ آرام دہ صوفے پر دراز کیا ہوئے کہ غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ یہ پتا نہیں چل سکا کہ کب نیند آ گئی۔ آنکھ اس وقت کھلی جب مونچھوں

والے چوکیدار صاحب نے ہمیں جھنجھوڑا اور حکم دیا۔

''چلو اُٹھو، اندر صاحب انتظار کر رہے ہیں اور تم یہاں مزے سے سو رہے ہو۔''

ہم جمائیاں لیتے ہوئے دفتر میں داخل ہونے والے تھے کہ چوکیدار صاحب نے واپس باہر گھسیٹ لیا اور سرگوشی کی: ''درخواست ٹائپ کرا کے لائے ہو؟''

ہم نے کہا: ''نہیں تو''

''کیا مطلب! یہ بورڈ نہیں پڑھا۔'' وہ سختی سے بولا۔

اب جو ہم نے بورڈ کی طرف نگاہ ڈالی تو اس پر لکھا تھا: ''گائے اور بکرے ذبح کروانے کے لیے درخواستیں وصول کرنے کی قطعی اور آخری تاریخ 10 ستمبر ہے۔''

ہم نے جلدی سے اپنے موبائل فون پر تاریخ دیکھی تو آج 10 ستمبر تھی، یعنی کہ قطعی اور آخری تاریخ۔

جلدی سے ٹائپسٹ کی دکان پر پہنچے اور ان سے عرض کیا: ''ذرا بکرا ذبح کروانے کی درخواست تو ٹائپ کر دیں۔''

ٹائپ والے نے پہلے تو ہمیں گھورا، پھر کچھ سوچ کر بولا: ''ایک گھنٹے بعد آنا۔''

ہم نے کہا: ''جناب ابھی ٹائپ کر دیں، آج جمع کروانے کی آخری تاریخ ہے۔''

پھر وہ کچھ سوچ کر درخواست ٹائپ کرنے لگے۔ ہم درخواست لے کر دوبارہ جندوڈا کے دفتر ''القصاب لمیٹڈ'' پہنچے۔ آفس میں ان کے سیکرٹری نے ہم سے درخواست وصول کی اور بولے: ''شام 5 بجے تمھارا انٹرویو ہے۔ اگر تم کام یاب ہو گئے تو تمھارا بکرا ذبح کر دیا جائے گا۔''

''ہائیں...... پہلے درخواست......اب انٹرویو!''

ہم نے وقت دیکھا تو ابھی دو بجے تھے۔ واپس گھر پہنچے کھانا کھایا اور چار بجے پھر انٹرویو کے لیے "القصاب لمیٹڈ" کی طرف چل دیے۔ اس وقت دفتر کے باہر "لنچ بریک" کی تختی آویزاں تھی۔

"یہ جندوڈا بھی کوئی پاگل قسائی لگتا ہے اسی لیے تو چار بجے لنچ کر رہا ہے۔" ہم نے خود کلامی کی اور دفتر کے باہر بیٹھ گئے۔ خدا خدا کر کے پانچ بجے۔ چوکیدار صاحب نے "لنچ بریک" کی تختی ہٹائی۔ اسی لمحے کچھ آدمی اور آ گئے ہم ان کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گئے۔ جندوڈا صاحب بڑی سی میز کے سامنے کرسی پر دراز سب کی درخواستوں پر نظریں دوڑا رہے تھے۔ کچھ دیر درخواستوں پر غور کرنے کے بعد وہ پہلے اُمیدوار سے مخاطب ہوئے: "آپ کا بکرا عید کے دوسرے دن کٹ جائے گا۔"

دوسرے سے کہا: "آپ کی گائے عید کے پہلے دن ذبح ہو جائے گی۔" وہ دونوں آدمی یہ سن کر شکریہ ادا کر کے چلے گئے۔

پھر تیسرے سے مخاطب ہوئے: "آپ کی گائے اور دونوں بکرے بھی عید کے دوسرے دن ذبح ہوں گے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔"

اس آدمی نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر پیش کر دیا: "حضور! خان صاحب نے آپ کے نام یہ رقعہ پیش کیا ہے، اسے دیکھ لیں۔"

جندوڈا صاحب نے رقعہ پڑھا اور بولے: "ارے بھئی! آپ نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔ میں عید والے روز ان شاء اللہ سب سے پہلے آپ کے گھر پہنچ جاؤں گا۔"

وہ صاحب بھی شکریہ ادا کر کے چلے گئے۔ دو آدمی اور تھے، ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ آپ کی درخواستیں پرانی ہیں، اس لیے آپ کے بکرے باسی عید کو ذبح کر دیں گے۔

وہ دونوں آدمی بھی اپنا سا منھ لے کر چلے گئے۔ ہم بھی دل تھام کے بیٹھے تھے کہ ہماری باری آ گئی۔ انھوں نے ہماری درخواست کو بغور پڑھا پھر بولے: ''تمھارا بکرا عید کے تیسرے روز ذبح ہو سکتا ہے میاں!''

ہم نے کہا: ''آپ کا کہنا ٹھیک ہے، مگر بکرا عید کے دن ذبح کروانا ہے۔''

وہ کہنے لگے: ''ہوں! مگر عید اور باسی عید دونوں کی تاریخیں بک ہو چکی ہیں۔ اگر اس کے بعد ذبح کروانا ہو تو بات کرو۔''

''ہمیں یہ منظور نہیں ہے جناب! ہم دوسرے قسائی کا انتظام کر لیں گے۔'' ہم نے کہا۔

جندوڈا صاحب نے بڑے غصے سے ہمیں گھورا اور فوراً گھنٹی بجائی۔ چوکیدار صاحب اندر داخل ہوئے۔

''اسے باہر کا راستہ دکھاؤ۔''

یہ کہہ کر انھوں نے ہماری درخواست پھاڑ دی۔ ہم غصے سے بڑبڑاتے، سر ہلاتے، پیر پٹختے گھر آن پہنچے۔

اگلے دن تمام شہر کا چکر لگایا، جہاں کہیں کسی قسائی کی خبر ملی، کمان سے نکلے تیر کی طرح سیدھے وہیں پہنچے، مگر توبہ کیجیے، جو کسی نے ہامی بھری ہو۔ عید آئی اور گزر گئی، لیکن ہمارا بکرا ذبح نہ ہو سکا۔ وہ اب تک آنکھیں نکالے، چھاتی تانے پورے گھر میں دندناتا پھر رہا ہے...... اور اس قدر نامعقول ہے کہ دیواروں اور درختوں کی جگہ ہمیں ٹکریں مارتا ہے۔ اب سوچ رہے ہیں کہ اگلی عید کے لیے ابھی سے درخواست جمع کرا دیں، تاکہ اس دفعہ عید کے دن سب سے پہلے ہمارا نمبر آ جائے۔ ☆

بہرا کون؟

ایک پریشان حال شخص ڈاکٹر کے پاس گیا: ''ڈاکٹر صاحب! میرا خیال ہے کہ میری بیوی بالکل بہری ہوگئی ہے، مجھے کئی بار اپنی بات دہرانی پڑتی ہے۔ تب وہ جواب دیتی ہے۔ بتائیں کیا کروں؟''

ڈاکٹر نے کہا کہ پہلے اس بات کا یقین کرلو کہ کیا وہ واقعی بہری ہے اور اونچا سنتی ہے۔ پھر اس کو یہاں لے آنا، چیک اپ کرنے کے بعد اس کا علاج شروع کر دیں گے۔ تم ایسا کرو کہ آج گھر جا کر بیوی سے کوئی بات پندرہ فیٹ کے فاصلے سے کہنا اور اس کا ردِعمل دیکھنا۔ اگر وہ کوئی جواب نہ دے تو دس فیٹ کے فاصلے سے وہی بات کہنا۔ پھر بھی نہ سنے تو پانچ فیٹ کی دوری سے وہی بات کہنا۔ پھر بھی نہ سنے تو بالکل کان کے پاس آ کر کہنا۔ اس سے ہمیں یہ پتا چل جائے گا کہ بہرے پن کی شدت اور نوعیت کیا ہے؟ اس سے علاج میں آسانی رہے گی۔''

وہ شخص گھر آیا تو دیکھا کہ بیوی باورچی خانے میں سبزی کاٹ رہی ہے۔ اس نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق پندرہ فیٹ کی دوری سے پوچھا: ''بیگم! آج کھانے میں کیا ہے؟''

بیوی کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

اب اس نے دس فیٹ کی دوری سے اپنا سوال دہرایا۔

بیوی کی طرف سے پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ وہ سر جھکائے سبزی کاٹنے میں مصروف رہی۔

وہ بیوی کے اور نزدیک آ گیا۔ صرف پانچ فیٹ کی دوری سے وہی سوال کیا۔

اب کی بار بھی بیوی اسی طرح سر جھکائے اپنا کام کرتی رہی۔

شوہر پریشان ہوگیا۔ وہ بالکل سامنے کھڑا ہوگیا اور کوئی تین انچ کی دوری سے پوچھا:

''بیگم! میں نے پوچھا ہے کہ آج کیا پکا رہی ہو؟''

بیوی نے سر اُٹھایا اور کہا: ''بہرے ہوگیا! چوتھی بار بتا رہی ہوں کہ سبزی گوشت!!''

گڑبڑ

ضیاء الحسن ضیاؔ

جو کرتا ہے کاموں میں دن رات گڑبڑ

یقیناً ہیں اس کے خیالات گڑبڑ

اگر وقت پر آپ ملنے نہ آئے

تو ہو جائے گی پھر ملاقات گڑبڑ

گلی میں ہماری، ہیں مٹی کے سب گھر

کہیں کر نہ ڈالے یہ برسات گڑبڑ

کتابیں کبھی کھول کر ہی نہ دیکھیں

لکھے امتحاں میں جوابات گڑبڑ

دوائیں چھڑکنا کبھی بھی نہ بھولو

زمیں پر نہ کردیں یہ حشرات گڑبڑ

بظاہر وہ معصوم لگتا ہے سب کو

ہیں اس کی مگر ساری حرکات گڑبڑ

وہ ''غابات'' پرچے میں لکھ آیا اپنے

ضیاؔ کردیے اس نے باغات گڑبڑ

قائداعظم ایک سچے راہنما

نسرین شاہین

کراچی میں کھارادر، نیونہام روڈ، چھاگلہ اسٹریٹ کے علاقے میں جناح پونجا نام کے تاجر رہتے تھے۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو ان کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا۔ بچے کا نام محمد علی رکھا گیا۔ اس وقت کسی کو اندازہ نہ تھا کہ یہ بچہ آگے چل کر ایک نئی اسلامی مملکت کا بانی ہوگا اور برصغیر کے مسلمانوں کے لیے فخر کی علامت بن جائے گا۔

ابتدائی تعلیم گجراتی تعلیمی ادارے میں پائی۔ گجراتی کی چار جماعتیں پاس کرنے کے بعد ان کا داخلہ ۴ جولائی ۱۸۸۷ء کو سندھ مدرستہ الاسلام اسکول میں اسٹینڈرڈ ون میں کرایا گیا، لیکن پھر ان کے والد نے ان کو بمبئی (ممبئی) میں ان کے ماموں قاسم موسیٰ کے پاس بھیج دیا، جہاں انجمن ہائی اسکول میں ان کا داخلہ کرایا گیا، لیکن محمد علی جناح کی والدہ ان کی جدائی برداشت نہ کرسکیں اور ۲۳ دسمبر ۱۸۸۷ء کو انھیں واپس بلا کر دوبارہ سندھ مدرستہ الاسلام میں داخلہ کرادیا گیا۔

جنوری ۱۸۹۳ء میں والد کے کاروبار کے سلسلے میں محمد علی جناح لندن گئے اور وہیں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی خاطر ''لنکنز ان'' میں داخلہ لیا۔ ۱۸۹۶ء میں اس ادارے سے بیرسٹری کی سند حاصل کی اور کراچی آکر وکالت شروع کردی، پھر ایک سال بعد ہی ۱۸۹۷ء میں بمبئی چلے گئے اور بمبئی ہائی کورٹ میں وکالت شروع کردی۔ ۱۹۰۰ء میں بحیثیت پریذیڈنسی مجسٹریٹ تقرر ہوا۔ ۱۹۰۶ء میں عملی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۰۹ء میں بمبئی کے مسلم حلقے سے لیجسلیٹو کونسل کے بلامقابلہ رکن منتخب

ہوئے۔ اس کے بعد جلد ہی وہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر صفِ اول کے رہنما بن گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو ایک پرچم تلے متحد کیا۔ جس کے نتیجے میں مسلم لیگ برصغیر کے مسلمانوں کی سب سے بڑی اور نمایندہ جماعت بن گئی۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی، جس کے بعد تحریکِ پاکستان میں مزید تیزی آ گئی۔ بانیِ پاکستان اور ان کے ساتھیوں کی یہ جدوجہد رنگ لائی اور ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ہندستان کے آخری وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آل انڈیا ریڈیو سے تقسیمِ ہند کے منصوبے کا اعلان کیا۔ اس منصوبے کو کانگریس کی جانب سے پنڈت جواہر لال نہرو نے، آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح نے اور سکھوں کی جانب سے سردار بلدیو سنگھ نے قبول کیا۔ قائداعظم نے اس موقع پر اپنے خطاب کے آخر میں پہلی بار ''پاکستان زندہ باد'' کے تاریخی الفاظ کہے۔ ۱۴- اگست کی رات ریڈیو پاکستان لاہور سے پاکستان کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔ حصولِ پاکستان کی اس طویل جدوجہد میں منزل پالینے کے بعد قائداعظم خاصے کمزور ہو چکے تھے۔

قائداعظم سخت محنت کرتے تھے، وہ بے انتہا انہماک سے کام کرتے تھے اور دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے۔ وہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے کہ ان کی صحت خراب ہے۔ وہ محض اپنی مضبوط قوتِ ارادی کے باعث کام کرتے رہے۔ زندگی کے آخری دنوں میں قائداعظم کی صحت اچھی نہیں رہی۔ ان کی عزیز بہن فاطمہ جناح نے جو مسلسل ان کے ساتھ تھیں، محبت سے جب یہ کہا کہ وہ اتنا زیادہ کام نہ کریں تو قائداعظم نے فوری جواب دیتے ہوئے کہا: ''کیا تم نے کبھی یہ سنا ہے کہ کوئی جنرل عین اس وقت

چھٹی پر چلا گیا ہو، جب اس کی فوج میدانِ جنگ میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہو۔''

قائداعظم ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء کو آرام کی غرض سے کوئٹہ روانہ ہوئے، لیکن وہاں بھی سرکاری اور غیر سرکاری مصروفیات جاری رہیں۔ یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو قائداعظم اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرنے کے لیے کراچی تشریف لائے۔ ۷ جولائی ۱۹۴۸ء کو وہ دوبارہ کوئٹہ روانہ ہو گئے۔ کوئٹہ سے انھیں زیارت منتقل کر دیا گیا، جو کوئٹہ کے مقابلے میں نسبتاً پُر فضا وادی ہے۔ پھر زیارت سے جب آخری مرتبہ قائداعظم کوئٹہ روانہ ہو رہے تھے تو کمزوری کی وجہ سے انھیں اسٹریچر پر نیچے لایا گیا۔ جب قائداعظم کو کار میں بٹھایا جانے لگا تو فرمایا: ''مجھے کار میں اس طرح بٹھاؤ کہ میں اپنے عوام کو دیکھ سکوں۔'' قائداعظم زیارت سے جب کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تو اپنا سیدھا ہاتھ ہلا کر سڑکوں پر دونوں جانب موجود عوام کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔

۱۱- ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم کو علاج کی غرض سے کراچی لایا گیا، فاطمہ جناح ان کے ساتھ تھیں۔ دن کے دو بجے روانہ ہونے والا طیارہ وائی کنگ کوئٹہ سے پرواز کے بعد شام سوا چار بجے کے قریب کراچی کے ماڑی پور اڈے پر اُترا، پھر ایمبولینس میں قائداعظم کو سوار کرایا گیا۔ ایمبولینس نہایت سُست رفتاری سے چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک رک گئی اور اسی شام ان کا انتقال ہو گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ۷۲ سال کی عمر پائی۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ ایک سال ۲۷ دن زندہ رہے۔ ان کی نمازِ جنازہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی۔ ان کا کہنا تھا: ''اورنگ زیب عالمگیر کے بعد قائداعظم محمد علی جناح مسلمانوں کے سب سے بڑے رہنما تھے۔''

☆

بیت بازی

تیری محفل سے اُٹھاتا غیر مجھ کو، کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تُو نے بھی اشارہ کر دیا

شاعر: حسرت موہانی پسند: ماہ پارہ اقبال، گوادر

بات ہے راستے پہ جانے کی
اور جانے کا راستہ ہی نہیں

شاعر: جون ایلیا پسند: کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

خوشیوں کا دور بھی آجائے گا ندیم
غم بھی تو مل گئے ہیں تمنا کیے بغیر

شاعر: احمد ندیم قاسمی پسند: تانیہ وسیم، دستگیر

سزا کے طور پر ہم کو قفس ملا جالب
بڑا شوق تھا ہمیں آشیاں بنانے کا

شاعر: حبیب جالب پسند: حسام عامر، نارتھ کراچی

لوگوں کے اشک پونچھ کر ایسا لگا
خوشیاں خرید لیں، غموں کی دکان سے

شاعر: عدیم ہاشمی پسند: فرزانہ اقبال، عزیز آباد

محبت، عداوت، وفا، بے رُخی
کرائے کے گھر تھے، بدلتے رہے

شاعر: بشیر بدر پسند: خیال محمد، کوئٹہ

میں ابھی پہلے خسارے سے نہیں نکلا ہوں
پھر بھی تیار ہے دل، دوسری نادانی پر

شاعر: جمال احسانی پسند: علی شرافت، فیصل آباد

اونچا اُڑنے کی خواہش میں عارف
ماؤں جیسا پیار نہ کھونا مٹی کا

شاعر: عارف شفیق پسند: مہک اکرم، لیاقت آباد

عجیب ہوتے ہیں آدابِ رخصتِ محفل
کہ اُٹھ کے وہ بھی چلا جس کا گھر نہ تھا کوئی

شاعر: سحر انصاری پسند: پارس احمد خان، اورنگی ٹاؤن

کاش اپنا بھی مقدر جاگے
اس توقع پہ برابر جاگے

شاعرہ: اختر سعیدی پسند: محمد منیر نواز، ناظم آباد

ہو سکے تو دل میں پیدا کر محبت کا خیال
یہ مقدس لفظ سطحِ آب پر لکھا نہ کر

شاعر: سلطان رشک پسند: فاطمہ علی حسن، ملتان

آنسو بے چین ہیں نکلنے کو
شاید اندازہ انھیں خبر کا ہے

شاعر: رضی ریاض پسند: عمر احمد، میرپور خاص

ایسا اگر کروں گا تو ویسا نہ ہو کہیں
دل میں ہے مدتوں سے یہی ڈر چھپا ہوا

شاعرہ: شاہ نواز سواتی پسند: ہانیہ حسین، لاہور

ہم نے روشن کیے ہر دل میں چراغ اُلفت
ہم سے نفرت کا اندھیرا نہیں دیکھا جاتا

شاعر: عبدالجبار اثر پسند: کنول ارسلان، اسلام آباد

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کرکے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

طالبِ ہدایت

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ ہوتے ہیں کہ اگر اللہ مل جائے تو سوال کریں گے کہ یا اللہ! یہ چیز دے، وہ چیز دے۔

دوسرے وہ ہوتے ہیں جن کو اگر اللہ مل جائے تو عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہدایت دے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بس آپ ہدایت ماننے والوں میں سے بن جائیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا کردار

مرسلہ : حذیفہ احمد، کراچی

حضرت علی کرم اللہ وجہ اپنے دورِ خلافت میں جب کوئی چیز خود خریدنے جاتے تو بازار میں ایسے دکان دار کو تلاش کرتے، جو آپ کو پہچانتا نہ ہو، اسی سے سودا لیتے۔ یہ آپ کو پسند نہ تھا کہ کوئی دکان دار انھیں امیر المومنین جان کر سودا دینے میں رعایت کرے۔

پاکستان اور محمد علی جناح

مرسلہ : بنتِ محمود قریشی، کراچی

مولانا شبیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ میں رات بارہ بجے محمد علی جناح کے پاس دہلی پہنچا، ایک اہم شخصیت کا جناح صاحب کے نام ایک ضروری خط پہنچانا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت وہ نماز کے بعد پاکستان کی ترقی کے لیے دعا کر رہے تھے۔

ایک مرتبہ حکیم الامت نے فرمایا کہ میں نے جناح کو خواب میں علما کے لباس میں دیکھا ہے۔ ان کو حقیر مت سمجھو۔ اللہ جس سے چاہے کوئی بڑا کام لے لے۔

نشانِ مردِ مومن

مرسلہ: ماہ رخ آفتاب عالم قریشی، کراچی

آخری ایام میں ڈاکٹروں نے

علامہ اقبال کی صحت سے مایوسی کا اظہار کردیا۔ علامہ اقبال سے یہ بات چھپائی گئی، لیکن آپ صورتِ حال بھانپ گئے اور جب آپ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے تسلی دی تو آپ نے کہا: ''میں مسلمان ہوں اور موت سے نہیں ڈرتا۔''

پھر فارسی میں اپنا ایک شعر پڑھا، جس کا مطلب تھا: ''میں مردِ مومن کی نشانی بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ جب اسے موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔''

توہم پرست امریکی صدر

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

۳۰ جنوری ۱۸۸۲ء کو پیدا ہونے والے روز ویلٹ ۱۹۳۳ء میں امریکا کے ۳۲ ویں صدر بنے۔ ۱۹۲۱ء میں ۳۹ سال کی عمر میں پولیو کی وجہ سے یہ معذور ہو گئے تھے۔ روز ویلٹ سخت توہم پرست تھے۔ ۱۳ کے ہندسے کو منحوس سمجھتے تھے۔ وہ تیرہ افراد کے لیے رکھی گئی میز پر بھی نہیں بیٹھتے تھے۔ جمعے کے روز کو بھی منحوس سمجھتے تھے۔ اس روز کسی سفر پر نہ جاتے۔ ان کی اچانک موت دماغ کے شریان پھٹنے سے ہوئی تھی۔ تدفین ہوئی تو اس دن ۱۳ تاریخ تھی اور دن جمعے کا تھا۔

کنیز کا جواب

مرسلہ : عرشیہ نوید حسنات، کراچی

بہت عرصہ پہلے ایک مشہور مقرر نے ایک روز اپنی کنیز سے پوچھا: ''میری تقریر کیسی ہوتی ہے؟''

کنیز نے فوراً کہا: ''بہت اچھی۔''

پھر کچھ سوچ کر بولی: ''مگر آپ کی تقریر میں ایک عیب ہوتا ہے، وہ یہ کہ آپ ایک ایک نکتہ بار بار دہراتے ہیں۔''

مقرر نے کہا: ''میں ایک ایک نکتہ بار بار اس لیے دُہراتا ہوں کہ کم سمجھ والے لوگ بھی اسے سمجھ لیں۔''

کنیز فوراً بولی: ''آپ کی دلیل تو مناسب ہے، مگر بات یہ ہے کہ جب تک کم سمجھ لوگ آپ کی بات سمجھتے ہیں، سمجھ دار لوگ اُکتا جاتے ہیں۔''

ہماری اردو

شاعر : تشنہ بریلوی

پسند : کرن فدا حسین، فیوچر کالونی

کتنی پیاری زبان ہے اردو
دوستی کا نشان ہے اردو
اس کی آغوش وا ہے سب کے لیے
دھوپ میں سائبان ہے اردو
آئے مہمان اور جائے نہ پھر
مہرباں ، میزبان ہے اردو
اس کے شیدائی تھے "حکیم سعید"
ان کی بھی ترجمان ہے اردو
نثر ہو یا کہ نظم ، دونوں میں
خوش ادا ، خوش بیان ہے اردو
وار غیروں کے ہنس کے سہتی ہے
لشکری ہے ، جوان ہے اردو
نونہالو! تم اپنی بھوک مٹاؤ
علم و دانش کا خوان ہے اردو

سوچنے والی باتیں

مرسلہ : مناہل فاطمہ عامر علی، حیدر آباد

☆ جب تم کسی کی مدد کرو تو کبھی اس کی آنکھوں کی طرف نہ دیکھو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں موجود شرمندگی تمھارے دل میں غرور پیدا کردے۔

☆ لاکھوں کو دوست بنانا کوئی بڑی بات نہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ ایسا دوست بناؤ جو تمھارا ساتھ اس وقت دے جب لاکھوں تمھارے مخالف ہوں۔

آسٹریلیا کا انوکھا پرندہ

مرسلہ : ارسلان اللہ خان، حیدر آباد

لیئر برڈ (LYER BIRD) نامی پرندے کی دُم بربط (بطخ جیسی شکل کا ایک ساز) کی طرح ہوتی ہے۔ یہ بہت ہی خوب صورت پرندہ ہے۔ جب یہ خوش ہوتا ہے تو اپنی دُم پھیلا کر خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ ماہ مئی میں جب یہ میٹھے گیت گاتا ہے تو بڑا ہی بھلا لگتا ہے۔ اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ

وہ دوسرے پرندوں کی آوازیں ہو بہو نقل کرلیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ریل کے انجن کی طرح سیٹی بھی بجالیتا ہے۔

☆ سچا دوست وہ ہے جو تمھارے پاس اس وقت آئے جب ساری دنیا تمھارا ساتھ چھوڑ چکی ہو۔

چمکتے موتی

مرسلہ : دیپا کھتری، میر پور خاص

☆ صبر زندگی کے مقصد کے بند دروازے کھولتا ہے۔

☆ مسکراہٹ محبت کی زبان ہے۔

☆ انسانیت کا زیور نیک نامی ہے۔

☆ جو سچے دل سے توبہ کرتا ہے، اللہ اس کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے۔

☆ جس گھر میں ماں نہیں وہ گھر ویران قبرستان ہے۔

☆ حسنِ اخلاق سے زیادہ وزن دار کوئی بات نہیں۔

☆ دنیا میں وہی لوگ سربلند ہوتے ہیں جو تکبر اور غرور سے دور رہیں۔

☆ جس شخص میں غصہ زیادہ ہو اس کے دوست بھی کم ہوتے ہیں۔

☆ مصیبت کے وقت آنسو بہانا بہادری نہیں۔

اقوالِ زریں

مرسلہ : اعتزاز عباسی، جگہ نامعلوم

☆ سچائی سنگِ مرمر کے اس مجسمے کی جیسی ہے، جو ریگستان کے بیچ میں کھڑا ہو۔ اس کو اُڑتی ہوئی ریت کے نیچے دبنے سے بچانے کے لیے مسلسل اور لگاتار کوشش ضروری ہے۔ (البرٹ آئن اسٹائن)

☆ اونچے پہاڑ پر چڑھنے کے لیے آہستہ آہستہ چلنا پڑتا ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ میں نے علم کے درخت کا میوہ توڑ لیا ہے، جس پر لکھا ہے کہ کام یابی ان کے لیے ہے جو کوشش کرتے ہیں۔ (گولڈ اسمتھ)

☆ شکست نہ کھانے والا ارادہ، پریشان نہ ہونے والا خیال اور ختم نہ ہونے والی جدوجہد کام یابی کی ضامن ہے۔ (بروک)

☆☆☆

ناشکرا

ادیب سمیع چمن

آدمی ایک تھا کوئی نادار
مفلسی اس کی جاں کا تھی آزار
کام گرچہ کڑے وہ کرتا تھا
پھر بھی دکھیا سدا وہ رہتا تھا
اس کو ملتی نہ پیٹ بھر روٹی
اس کی قسمت تھی ہر طرح کھوٹی
لب پہ آتی تھی یہ دعا اکثر
اے خدائے جہانِ خشک و تر

کر شگفتہ کلی میرے دل کی
راہ آسان میری منزل کی

پیارے رب نے سنی نوا اس کی
مستجاب ہوگئی دعا اس کی
ڈھیر سا مال و زر دیا اس کو
کھیت ، کھلیان ، گھر دیا اس کو
ہر طرح کے اسے دیے آرام
شامل اس کا کیا بڑوں میں نام
خوب عزت دی ، خوب شہرت دی
قابلِ رشک شان و شوکت دی

پا کے دولت مگر وہ اِترایا
شکر رب کا نہ وہ بجا لایا

اپنی اوقات بھول بیٹھا وہ
رب کی ہر بات بھول بیٹھا وہ
وقت اپنا لگا گنوانے وہ
خوب باتیں لگا بنانے وہ
عیش عشرت کا بن گیا خوگر
کام کوئی نہیں کیا بہتر
در پہ نادار گر کوئی آتا
ہاتھ نامِ خدا پہ پھیلاتا

در سے ناکام اس کو لوٹاتا
کام نادار کے نہ وہ آتا

سرکشی حد سے جب بڑھی زیادہ
بن گیا وہ ستم کا دلدادہ
اس پہ مالک کا پھر غصہ ٹوٹا
جڑ سے گویا اکھڑ گیا کھونٹا
سر پہ شامت کچھ ایسی کھل گئی
مال و دولت کی ریل پیل گئی
پھر وہی لوٹ آئی لاچاری
نعمتیں اس کی چھن گئیں ساری

یوں چمن جس کے سنورے تھے سب کاج
ہوگیا ہے دانے دانے کو محتاج

معلومات افزا

معلومات افزا کے سلسلے میں حسب معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صحیح جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ ستمبر ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ قوم ثمود پر .... کے زمانے میں قہر الٰہی نازل ہوا تھا۔ (حضرت سلیمان ۔ حضرت نوح ۔ حضرت صالح)

۲۔ آسمانی کتاب .... حضرت داؤد پر نازل ہوئی تھی۔ (توریت ۔ زبور ۔ انجیل)

۳۔ عظیم یونانی فلسفی .... سکندر اعظم کا استاد تھا۔ (ارسطو ۔ افلاطون ۔ سقراط)

۴۔ عظیم مسلمان فلسفی، دانش ور ابو نصر فارابی کا انتقال .... میں ہوا تھا۔ (۸۷۰ء ۔ ۸۷۳ء ۔ ۹۵۰ء)

۵۔ ''دمشق'' اسلامی ملک .... کا دارالحکومت ہے۔ (شام ۔ عراق ۔ لبنان)

۶۔ دنیا کا ایک بلند پہاڑ نانگا پربت .... میں ہے۔ (نیپال ۔ بھارت ۔ پاکستان)

۷۔ ''وال اسٹریٹ جرنل'' .... کا ایک مشہور اخبار ہے۔ (امریکا ۔ برطانیہ ۔ روس)

۸۔ ''اے پی پی'' (APP) .... کی خبر رساں ایجنسی ہے۔ (افغانستان ۔ پاکستان ۔ امریکا)

۹۔ پاکستان کے مشہور شاعر .... کا اصل نام سید محمد مہدی تھا۔ (نسیم امروہوی ۔ رئیس امروہوی ۔ جون ایلیا)

۱۰۔ انڈونیشیا کا سکہ .... کہلاتا ہے۔ (روپیہ ۔ ریال ۔ دینار)

۱۱۔ انسانی خون کے چار گروپ ہیں، ان میں صرف .... گروپ کا خون ہر انسان کو دیا جا سکتا ہے۔ (''O'' ۔ ''B'' ۔ ''A'')

۱۲۔ ''قندھار'' .... کا ایک بڑا شہر ہے۔ (ترکمانستان ۔ قازقستان ۔ افغانستان)

۱۳۔ رومن ہندسوں میں ۱۶۰۰ کے عدد کو انگریزی حروف .... سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ (MDC ۔ DCM ۔ CMD)

۱۴۔ ''BRICK'' انگریزی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (اینٹ ۔ پتھر ۔ بجری)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: ''یار زندہ .... باقی'' (محبت ۔ تہمت ۔ صحبت)

۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

نکتہ چیں ہے، غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات، جہاں بات .... نے بنے (بنائے ۔ بتائے ۔ سنائے)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۲۷ (ستمبر ۲۰۱۵ء)

نام :

پتا :

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ ستمبر ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (ستمبر ۲۰۱۵ء)

عنوان :

نام :

پتا :

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ ستمبر ۲۰۱۵ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

صحیح معلومات کی معیاری کتابیں

شہید حکیم محمد سعید عظیم طبیب اور مقبول ترین معالج تھے۔ انھوں نے قارئین ہمدرد نونہال اور مریضوں کے سوالات کے جواب میں بے شمار بیماریوں کے علاج بتائے ہیں، جو مسعود احمد برکاتی نے اس کتاب میں بڑے سلیقے سے جمع اور مرتب کر دیے ہیں۔

نواں ایڈیشن

صفحات : ۳۴۴ قیمت : ۳۰۰ رُپے

غذا اور صحت سے متعلق ایک عمدہ کتاب

اس کتاب میں ۲۰۰ غذاؤں اور دواؤں کے خواص بیان کیے گئے ہیں، جن میں طب مشرقی اور جدید طب، دونوں کی تحقیقات شامل ہیں۔

دسواں ایڈیشن

صفحات : ۲۴۰ قیمت : ۲۵۰ رُپے

بچوں اور بڑوں میں شعور صحت پیدا کرنے کے لیے یہ کتاب آسان زبان میں اور دل چسپ ہے۔ انسان کے مختلف اعضا کیا خدمات انجام دیتے ہیں، کس جگہ ہوتے ہیں، انھیں کون کون سی بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں اور ان کا علاج کیا ہے؟ یہ سب معلومات ہمیں اعضا اپنے بارے میں خود بیان کرتے ہیں۔ اعضا کی رنگین تصاویر کے ساتھ یہ کتاب طالب علموں کے لیے خاص طور پر نہایت مفید ہے۔

صفحات : ۱۲۲ قیمت : ۱۰۰ رُپے

پھلوں کے بارے میں مفید معلومات، خود پھلوں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ ایک دل چسپ کتاب جو بچوں اور بڑوں کو پھلوں کے خواص بتانے کے ساتھ ساتھ پھل کھانے کا شوق بھی پیدا کرتی ہے۔

سید رشید الدین احمد کی مقبول کتاب پھلوں کی رنگین تصاویر کے ساتھ

آٹھواں ایڈیشن

صفحات : ۱۲۰ قیمت : ۱۷۵ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

تصویر خانہ
مار یہ سعید عالم، کراچی
انظر سعید عالم، کراچی
عائشہ اسماعیل، میر پور خاص
محمد وسیم، کراچی
سید انس علی، کراچی
لبنیٰ جبیں، کراچی
ثمرین فاطمہ، کراچی
محمد رضوان، کراچی
آشان عارفین، حیدر آباد

نونہال

محمد شہزاد ظہیر، اورنگی ٹاؤن

اسوہ نواز، راولپنڈی

تحریم امین، ماڈل کالونی

عائشہ قیصر، کراچی

مہک اکرم، لیاقت آباد

احمد عامر، فیصل آباد

سمعیہ وسیم، سکھر

بلاعنوان انعامی کہانی

اُمِ عادل

اندھیری سنسان رات، ویران انجان علاقے کی کچرا گنڈی کے ایک کونے میں چھپا بیٹھا اسد مسلسل بے آواز رو رہا تھا۔ سردی سے اس کی ٹانگیں اکڑ رہی تھیں اور جب کئی کُتے بھونکتے اِدھر اُدھر بھاگتے تو اسد کی جان ہی نکل جاتی۔ وہ کسی بھی وقت کھانے کی تلاش میں کچرا گنڈی کے اندر آسکتے تھے۔ اس سخت مشکل گھڑی میں اسد اپنی پیاری بہن آمنہ، امی، ابو اور دل و جان سے پیار کرنے والی دادی جان کو یاد کر رہا تھا۔ مسلسل روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی گزری ہوئی زندگی پر نہ صرف معافی، بلکہ اپنی زندگی کی بھیک

مانگ رہا تھا۔

آج دوپہر اسکول سے واپسی پر سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ اسکول سے واپسی پر وہ اپنی دُھن میں چلتا ہوا گھر آ رہا تھا۔ ایک آدمی کچھ دیر سے اس کے برابر چل رہا تھا۔ اچانک اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا رومال اسد کی ناک پر رکھ دیا۔ اسد فوراً ہی ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک کوٹھری نما تاریک کمرے کے فرش پر پڑا تھا۔ دو افراد بیٹھے سگرٹ پی رہے تھے۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر دونوں چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئے۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ اسد نے اُٹھ کر دروازے کی جھری سے باہر دیکھا دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بہت آوازیں دیں کہ دروازہ کھولو، مجھے یہاں کیوں بند کیا گیا ہے؟ مگر باہر مکمل خاموشی تھی۔ اسد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کو مجھ سے کیا دشمنی ہے۔ وہ اسے اس ویرانے میں کیوں لائے ہیں؟ اسد کو سخت پیاس اور بھوک لگ رہی تھی۔ وہ زور زور سے رونے لگا۔ روتے روتے اسے نیند آ گئی۔ شام کو کسی کے ٹھوکر مارنے پر اس کی آنکھ کھلی۔ وہی صبح والے دونوں آدمی تھے۔ ایک نے قمیص کے کالر سے پکڑ کر اسے بے دردی سے کھڑا کر دیا۔ دوسرا بولا: ''تمھارا نام کیا ہے؟''

''جی اسد۔'' اسد کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا۔

''اچھا تمھارے باپ کا کیا نام ہے؟''

''حبیب احمد۔''

''کون سی جماعت میں پڑھتے ہو؟''

''میں چوتھی جماعت میں ہوں۔'' اسد نے بتایا۔

''پھر تو تمھیں اپنے ابو کا موبائل نمبر یاد ہوگا۔''

اسد کو اپنے ابو اور اسکول دونوں کا نمبر یاد تھا۔ اس نے جلدی سے ابو کا نمبر بتا دیا۔ نمبر نوٹ کر کے انھوں نے اسد کو زور کا دھکا دے کر زمین پر گرا دیا اور کمرے سے نکل کر دروازے کو کُنڈی لگا دی۔ اسد تیزی سے اُٹھ کر ان کے پیچھے بھاگا، مگر وہ کُنڈی بند کر کے جا چکے تھے۔ اسد نے محسوس کیا کہ کُنڈی لگانے کے بعد تالا لگانے کی آواز نہیں آئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ پکڑ کر ہلایا تو اسے کُنڈی کے کم زور ہونے کا اندازہ ہوا۔ وہ مسلسل آہستہ آہستہ دروازے کو ہلاتا رہا۔ کچھ دیر بعد کُنڈی کھل گئی۔ اسد کو کُنڈی کھل جانے پر حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ باہر گھپ اندھیرا تھا۔ دور تک چٹیل میدان تھا۔ اسد جلد از جلد کہیں دور چھپ جانا چاہتا تھا۔ کچھ فاصلے پر اسے دیوار سی نظر

آئی۔ اسد نے اس کی آڑ میں چھپ کر پناہ لینے کا سوچا۔ وہ اندر داخل ہوا تو کچرے کی سخت بُو محسوس ہوئی، مگر اپنے انجان دشمنوں سے بچنے کے لیے وہ ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ کچرا پھینکنے والی جگہ تھی۔ پہلے کچھ دیر تک وہ سانس روکے بیٹھا رہا، پھر اس کی ٹانگیں اپنے وزن اور سردی سے سُن ہو گئیں تو وہ ٹانگیں پھیلا کر کچرے پر بیٹھ گیا۔ اچانک اسے آوازیں آنے لگیں: ''دیکھا، بھاگ گیا وہ، یقیناً تم نے کنڈی نہیں لگائی ہوگی۔'' ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

''میں نے کنڈی لگا دی تھی۔'' دوسرے نے کہا۔

اسد نے جان لیا کہ یہ تو ان ہی دونوں آدمیوں کی آوازیں تھیں۔ خوف کے مارے اسد کچرے میں خود کو چھپا کر لیٹ گیا۔

ایک آدمی دوسرے سے کہنے لگا: ''کچرا کنڈی کے اندر دیکھو، وہ بچہ اتنی جلدی کہاں جا سکتا ہے۔''

دوسرے آدمی نے جواب دیا: ''میں دیکھ چکا ہوں۔''

ان کی باتیں سن کر اتنی سردی میں بھی اسد کو پسینے آ رہے تھے۔ پھر ان کی آوازیں دور ہونے لگیں۔ اسد ڈر کے مارے دم سادھے کچرے کے ڈھیر پر لیٹا رہا۔ کچرے کی بدبو سے اسے متلی ہو رہی تھی۔

اسے وہ دن یاد آیا جب وہ اسکول سے گھر آیا تھا تو امی نے بڑی محبت سے اس کے بستر پر نئی چادر بچھا کر نیا تکیے کا غلاف چڑھایا تھا، مگر معمولی کپڑے کی چادر دیکھ کر اسد نے چادر اُٹھا کر دور پھینک دی: ''میرے لیے یہی معمولی چادر رہ گئی ہے، کیا بازار میں خوب صورت ریشمی چادریں ختم ہو گئی ہیں؟''

اس غصے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اسد اسی دن اپنے دوست خرم کے گھر گیا تھا۔ اس کا گھر بہت بڑا اور خوب صورت تھا۔ خرم کا کمرا دیکھ کر تو اسد کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ نرم اور خوب صورت فوم کے بیڈ پر ملائم ریشمی چادر، آرام دہ میز کرسی، ٹی وی، کمپیوٹر اور نئے نئے قیمتی کھلونوں سے خرم کا کمرا بھرا ہوا تھا۔ اسد ان سب چیزوں کی تفصیل سب گھر والوں کو بتا رہا تھا۔ اس کی امی مسلسل اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں: ''بیٹا! اللہ جس حال میں رکھے خوش رہنا چاہیے، ناشکری اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ اللہ نے ہمیں درمیانے درجے کی ہر نعمت سے نوازا ہے۔ کئی ایسے بھی بچے دنیا میں زندگی گزارتے ہیں، جن کے پاس تن ڈھانپنے کو کپڑے نہیں، پیر میں جوتا اور بھوک مٹانے کو کھانا تک نہیں ہوتا۔''

غصے میں امی کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اسے تو رہ رہ کر خرم کا سجا سجایا کمرا اور قیمتی کھلونے یاد آرہے تھے۔ وہ دوپہر کا کھانا کھائے بغیر ہی سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو اس کے پیٹ میں درد بھی ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ بھوک کی وجہ سے پیٹ میں تکلیف ہو رہی ہے۔ امی نے اسے بیدار دیکھ کر کھانا لا کر دیا، جو اس نے چپ چاپ کھا لیا تھا۔

اس وقت گھر والوں سے دور ویران، نامعلوم جگہ کچرے کی بُو، سردی، بھوک اور سب سے بڑھ کر ان آدمیوں کے واپس آجانے کا خوف، کُتوں کے بار بار بھونکنے اور لڑنے پر اسد کی جان نکلی جا رہی تھی۔ اتنی ساری پریشانیوں میں اسے ایک پل نیند نہ آئی، بلکہ بھوک اور سردی نے اس کی ساری ہمت ختم کر دی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگلے کسی بھی لمحے وہ بے ہوش ہو جائے گا اور کُتے اسے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔ آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ بھوک کتنی ظالم چیز ہے۔ اسد کو اپنی بے بسی پر رونا آگیا۔ اس نے خدا

سے اپنی زندگی اور گھر والوں کے دوبارہ مل جانے کی دعا کی۔ ابھی وہ دعا کر ہی رہا تھا کہ اسے ایک بار پھر قدموں اور باتوں کی آواز آئی۔ وہ کچرا کنڈی کی دیوار سے چپک گیا۔ یہ ان ہی دو آدمیوں کی آواز تھی۔ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ کیسا ہوشیار اور مکار بچہ تھا۔ نہ جانے اس ویرانے سے کیسے بھاگ گیا۔ یہاں سے قریبی سڑک ہی چھے کلومیٹر دور ہے۔ اللہ جانے وہ کوئی انسانی بچہ تھا یا کوئی بھوت تھا۔ اب باس ہمارے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کرے گا۔ ساری رات اسے تلاش کرنے میں گزر گئی۔ چلو جلدی کرو، یہ گندے برتن دھو کر نکلیں۔ آج کوئی اور بچہ پکڑ کر لائیں پھر شاید ہماری معافی ہو جائے۔ اسی دوران کچرا کنڈی کی دیوار کے اوپر سے انھوں نے کچھ اندر پھینکا۔ صبح کا ہلکا ہلکا اُجالا پھیل رہا تھا۔ اسد نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ وہ بھنڈی کا سالن اور باسی روٹی کے چند ٹکڑے تھے۔ اسد بھوک سے نڈھال تھا۔ کل صبح اسکول جاتے ہوئے اس نے امی کے لاکھ اصرار پر بڑے نخرے سے مکھن لگا صرف ایک توس کھایا تھا۔ اب چوبیس گھنٹے گزرنے پر اس کا پیٹ بالکل خالی تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سالن اُٹھایا اور باسی روٹی سے کھانے لگا۔ اس بھنڈی کے سالن سے ہلکی ہلکی بُو آ رہی تھی، مگر زندہ رہنے اور یہاں سے نکل بھاگنے کے لیے کسی چیز سے پیٹ بھرنا ضروری تھا۔

اب اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ سبزیوں، خاص طور پر بھنڈی سے بہت چڑتا تھا۔ وہ تو امی کے محبت سے تیار کردہ ہر سالن میں خرابی نکالتا تھا اور ہر روز پزا، برگر، بریانی کھانا چاہتا تھا۔ اس کی دادی اماں اسے کتنا سمجھاتی تھیں کہ اللہ پاک نے اتنی ڈھیر ساری سبزیاں اور کھانے کی دیگر چیزیں یونہی بے کار پیدا نہیں کیں، بلکہ انھیں بدل بدل کر کھانے سے انسان کی صحت برقرار رہتی ہے۔ ہر روز مرغن کھانے انسان کو بیمار کر دیتے ہیں۔ اسے یاد

آ رہا تھا کہ ایک دن اسکول سے واپسی پر امی نے جلدی سے اس کے سامنے کھانا رکھا۔ مزے دار بھنڈی گوشت پکا تھا، مگر بھنڈی تو اس کی چڑ تھی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک زوردار ہاتھ مار کر سالن کی پلیٹ زمین پر گرادی اور زور زور سے چلّانے لگا: ''سخت نفرت ہے مجھے ان سبزیوں سے۔'' اس کی امی خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ وہ تو اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھیں، مگر اس کی ناشکری اور بدتمیزی روز بروز بڑھتی ہی جارہی تھی۔ چیخ و پکار سن کر اس کی دادی جان اپنے کمرے سے نکل آئیں۔ کھانا زمین پر پڑا دیکھ کر توبہ توبہ کہتے ہوئے کھانا اور برتن اُٹھا کر کچن میں رکھ آئیں۔ اسد کو بڑے پیار سے سمجھانے لگیں کہ کہیں ان باتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں اور وہ کسی مشکل میں نہ پڑ جائے۔ اسد دادی اماں کی پوری بات سنے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

آج اس گندی جگہ سے بھنڈی کا سالن کھاتے ہوئے دادی اماں کی باتیں سچ لگ رہی تھیں۔ شاید میری اسی ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مشکل میں ڈالا ہے۔ یا میرے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔ میں آئندہ کے لیے تیری ناشکری کرنے سے توبہ کرتا ہوں۔ اسد دل ہی دل میں اللہ میاں سے معافی مانگ رہا تھا۔

پیٹ میں کچھ گیا تو اس نے سوچا کہ وہ اب یہاں سے نکل کر کہاں جائے، اسے کچرا گنڈی کی دیوار میں ایک سوراخ نظر آیا۔ اس نے سوراخ سے دیکھا تو ایک پک اَپ کھڑی تھی اور وہی دونوں آدمی اس میں بیٹھ رہے تھے۔ اسد نے حاضر دماغی سے کام لیا۔ ان دونوں کے بیٹھتے اور گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی اسد بھاگ کر نہایت پھرتی کے ساتھ پک اپ کے پچھلے حصے پر سوار ہو گیا۔ یہ سوچے بغیر کہ اگر انھوں نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ اچھی بات یہ تھی کہ گاڑی میں ایک بڑا سا ڈرم رکھا تھا۔ اسد ڈرم کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

اس نے سوچا اس طرح کم از کم مین روڈ تک تو پہنچا جا سکتا ہے۔

کچھ دیر بعد جب مین روڈ آ گیا اور ایک اسپیڈ بریکر پر گاڑی کی رفتار کچھ کم ہوئی تو اسد نے آہستگی سے کچی زمین پر چھلانگ لگا دی۔ گاڑی اسپیڈ بریکر سے گزر کر تیز رفتاری سے آگے نکل گئی۔ اسد نے ان آدمیوں کی نظر سے بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

اسی وقت ایک دیہاتی اسے اپنی جانب آتا نظر آیا۔ اسد نے اس دیہاتی سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ نزدیک آنے پر اسد نے سلام کر کے دیہاتی سے پوچھا: ''چاچا! یہ کون سی جگہ ہے۔''

دیہاتی نے اسے بتایا: ''یہ تو شہر سے دور، دادو کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔''

اسد نے اسے اپنے ساتھ بیتا سارا واقعہ بتایا۔ دیہاتی سمجھ دار آدمی تھا۔ وہ اسد کو قریبی پولیس اسٹیشن لے گیا۔ وہاں پولیس افسر نے اسد سے کئی سوالات پوچھے، مگر بھوک کے مارے اسد سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ پولیس افسر نے اپنے ماتحت کو بھیج کر اسد کے لیے چائے، بسکٹ منگوائے، جنھیں کھا کر اسد کچھ بتانے کے قابل ہوا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ خوف و پریشانی میں اسد اپنے ابو اور اسکول دونوں کے فون نمبر بھول چکا تھا۔ وہ پولیس کو اپنا، اپنے ابو کا، اپنے شہر کراچی اور علاقے کا نام ہی بتا پایا۔ پولیس افسر سمجھ چکا تھا کہ یا تو اغوا برائے تاوان کا معاملہ ہے یا یہ بردہ فروشوں کی حرکت ہے۔ افسر فوری طور پر اسد کو لے کر کراچی میں اسد کے بتائے ہوئے علاقے کے تھانے کی طرف روانہ ہو گیا۔

اِدھر کراچی میں اس کی اچانک گم شدگی پر اس کے گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ سب گھر والے غم سے نڈھال تھے۔ جان سے زیادہ پیار کرنے والی دادی جان کل سے بار بار بے ہوش ہو رہی تھیں۔ اسد کے والد نے اپنی والدہ کو اسپتال میں داخل کر دیا اور خود اسد کی

تلاش کے ساتھ ساتھ اس کی گم شدگی کی رپورٹ لکھوانے پولیس اسٹیشن پہنچے۔ اسکول کے پرنسپل صاحب ان کے ساتھ تھے۔ تمام ممکنہ جگہ پر اسد کو تلاش کیا جا چکا تھا، مگر وہ کراچی شہر میں ہوتا تو ملتا۔ اسد کے بھاگ جانے کی وجہ سے اس کے والد کو اغوا کاروں کی طرف سے فون بھی نہیں آیا تھا۔ ایس۔ ایچ۔ او صاحب نے رپورٹ درج کر کے پولیس پارٹیاں اسد کی تلاش میں مختلف اطراف روانہ کر کے غم سے نڈھال اسد کے والد کو اسد کے مل جانے کی یقین دہانی کروا رہے تھے۔

پچھلے کئی گھنٹوں سے اسد کے والد اور پرنسپل صاحب تھانے میں ہی موجود تھے۔ اور پُر امید تھے کہ کسی وقت بھی اسد کے مل جانے کی کوئی خبر آ جائے گی۔ آنے والی ہر ٹیلے فون کال پر چونک جاتے کہ شاید اسد سے متعلق کوئی خبر ہو۔ آخر اس مرتبہ آنے والی کال اسد کے متعلق ہی تھی، جو دادو کے پولیس افسر نے روانگی سے پہلے کراچی کے تھانے میں کی تھی۔ افسر نے بتایا کہ اسد نامی ایک بچہ انھیں ملا ہے۔ جو خود کو کراچی شہر میں آپ کے علاقے کا رہنے والا بتاتا ہے۔ ہم اسے لے کر کراچی پہنچ رہے ہیں۔

کال سننے کے بعد ایس۔ ایچ۔ او صاحب نے اسد کے والد کو پُر جوش مبارک باد دی کہ کچھ ہی دیر میں آپ کے بیٹے کو لے کر دادو کی پولیس کراچی پہنچ رہی ہے۔ اسد کے والد اور پرنسپل صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا اور بے تابی سے دادو پولیس کا انتظار کرنے لگے۔

آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ اسد پولیس وین سے اُترا تو اس کی نظر اپنے والد پر پڑی۔ وہ دوڑ کر اپنے ابو سے چمٹ گیا۔ وہ بے تحاشا رو رہا تھا۔ وہ نہایت گندے حلیے میں تھا۔ کچرے کے اندر رات گزارنے کی وجہ سے اس کے پاس سے بدبو اُٹھ رہی تھی، مگر اس کے والد اسے بے تحاشا چوم رہے تھے۔ آنسو بے اختیار ان کی آنکھوں سے

بہ رہے تھے۔ اسی وقت ان کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ اسد کی امی کا فون تھا، جو اسد کے متعلق پوچھ رہی تھیں اور اسد کے مل جانے کی خوش خبری پا کر وہ خوشی سے بے حال ہونے لگیں، پھر انھوں نے اسد کے والد کو یہ خوش خبری سنائی کہ دادی اماں کو ہوش آ گیا ہے اور وہ اسد ہی کے متعلق پوچھ رہی ہیں۔

کچھ ہی دیر میں اسد ابو کے ساتھ اپنی پیاری دادی اماں کو دیکھنے اسپتال پہنچ گیا۔ یہاں اس کی امی بہن اور دادی جان نے جی بھر کے اسد کو پیار کیا اور اسد کا صدقہ اُتارا گیا۔ اسد نے روتے ہوئے دادی اماں سے کہا: ''آپ ہمیشہ درست کہتی تھیں۔ اللہ پاک ناشکری کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کسی چیز پر ناشکری نہیں کروں گا۔ آج میں اللہ کی مہربانی اور آپ سب کی دعاؤں کی وجہ سے آپ سے مل سکا ہوں۔''

دادی اماں کو اسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔ اسد کے والد سب کو لے کر گھر روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۶۳ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- ستمبر ۲۰۱۵ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

غلطی

مہروز اقبال

''میں آج اسکول نہیں جاؤں گا۔'' عارف نے اپنے دوست مبین سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' مبین نے حیران ہو کر پوچھا: ''ہم تو اسکول جا رہے ہیں۔''

''میں تو ہاشمی انکل کے گارڈن میں مزے کرنے کی سوچ رہا ہوں، تمھیں پتا ہے کہ وہاں کتنے آم کے درخت ہیں۔'' عارف نے جواب دیا: ''جب وہاں کا مالی حقہ پی رہا ہوتا ہے میں وہاں سے میٹھے میٹھے آم توڑ کر کھاتا ہوں، اس وقت اس کا سارا دھیان حقے کی طرف ہوتا ہے اور وہ مجھے نہیں دیکھ پاتا۔''

''کیا تم یہ غلط نہیں کرتے ہو؟'' مبین نے کہا۔

''تم چپ رہو اور میری بات غور سے سنو۔'' عارف نے اس کے کندھے پکڑتے ہوئے کہا: ''جب ٹیچر میرا نام لیں گی تو تم منھ ہی منھ میں PRESENT TEACHER کہہ دینا، مگر یاد رہے کہ منھ ہی منھ میں بولنا ہے، کیوں کہ آج ان کو مجھ سے یہی اُمید ہو گی، کل ہی مجھے چیخ کر بولنے پر ڈانٹ پڑی ہے، وہ ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔''

''صحیح کہہ رہے ہو، میں کہہ دوں گا، آخر تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔'' مبین نے کہا، مگر کچھ سوچنے کے بعد وہ پھر بولا: ''کیا یہ جھوٹ نہیں ہو گا کہ تم وہاں موجود نہیں ہو، مگر پھر بھی تمھاری حاضری لگ جائے؟''

''بالکل نہیں بے وقوف۔ IT'S FUN۔ اب تم جاؤ، اور یاد رکھنا کہ منھ ہی منھ میں بولنا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ہاشمی صاحب کے گارڈن کی طرف بڑھ گیا۔

مبین نے عارف کی بات یاد رکھی اور اسی طرح منھ ہی منھ میں PRESENT (حاضر) کہا اور ٹیچر کو شک بھی نہیں ہوا۔

اُدھر جب عارف گارڈن پہنچا تو اس وقت مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ عارف ایک بینچ پر بیٹھ کر مالی کے جانے کا انتظار کرنے لگا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ عارف اپنا بیگ اپنے سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا اور اس کو پتا بھی نہیں چلا کہ کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ گہری نیند میں چلا گیا۔ مالی اسے نظر انداز کر کے پودوں کو پانی دیتا رہا۔ کچھ گھنٹے بعد جب عارف کی آنکھ کھلی تو اسے مالی کہیں نظر نہ آیا۔ وہ گارڈن میں ٹہلنے لگا۔ پرندوں اور درختوں کو دیکھتے دیکھتے اس کی نظر مالی پر پڑی جو حقہ پینے میں مصروف تھا۔ عارف نے سوچا یہ بہت اچھا موقع ہے، کیوں نہ آم توڑے جائیں۔ اس نے ایک بڑا سا درخت منتخب کیا، جس پر بہت سے آم لگے تھے۔ وہ اس پر چڑھنے لگا۔ چڑھتے چڑھتے اس کی بھوک بھی جاگ اُٹھی۔ وہ سوچنے لگا کہ میں جلدی سے اوپر جاؤں اور میٹھے میٹھے آم کھاؤں۔

جیسے ہی وہ پہلا آم توڑنے لگا زور سے کسی نے اس کے پاؤں پر چھڑی ماری۔ اس نے گھبرا کر نیچے دیکھا تو وہاں مالی کھڑا تھا۔ مالی زور سے چلّایا: ''اے لڑکے! چوری کرتے ہو؟ جلدی نیچے آؤ، ورنہ تمھاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔'' عارف تیزی سے نیچے اُترا اور گارڈن کے دروازے کی طرف بھاگنے لگا۔

مالی پھر چلّایا: ''اگر اب میں نے تمھیں یہاں دیکھا تو تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔''

جب وہ گیٹ سے باہر آیا اور اسکول کی طرف جانے لگا تو اسے اپنی تکلیف کا

شدت سے احساس ہونے لگا۔ وہ ایک آئس کریم کی دکان کے سامنے رکا، مگر اس کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ وہ اپنی پسندیدہ چاکلیٹ آئس کریم خرید سکتا۔ پھر اس کی نظر دکان میں لگی ہوئی گھڑی پر پڑی تو اسے اندازہ ہوا کہ کچھ ہی دیر میں چھٹی ہونے والی ہے۔ وہ اسکول کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنے دوست مبین کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں اسے مبین آتا دکھائی دیا۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ عارف نے اس سے پوچھا: ''کیا ٹیچر کو پتا چلا کہ میں آج اسکول نہیں آیا تھا؟''

''نہیں، مگر آج اسکول نہ جا کر تم چاند کی سیر سے محروم رہے۔''

''چاند کی سیر! کیا مطلب؟'' عارف نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہماری کلاس آج خلائی میوزیم گئی تھی۔'' مبین نے اسے بتایا۔

''وہ اتنی زبردست جگہ تھی کہ ہمیں لگ رہا تھا کہ جیسے ہم سچ مچ خلا سے گزر کر چاند پر پہنچ گئے اور وہاں کی سیر کر رہے ہیں اور پتا ہے وہاں میوزیم والوں نے چاکلیٹ آئس کریم بھی دی اور وہ بھی ایک نہیں جتنا ہمارا دل چاہے۔ ہمیں آج بہت مزہ آیا۔ تم نے یہ موقع ضائع کر دیا۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو اور میرا آج بہت بُرا وقت گزرا۔'' اور پھر عارف نے مبین کو اپنی آپ بیتی سنائی اور کہا: ''آج میں نے ایک سبق سیکھا ہے میں اب آیندہ کبھی غلط کام نہیں کروں گا۔''

پھر وہ سر جھکائے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

بھائی جان

خلیل جبار

وقاص تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا گھر کی جانب جا رہا تھا۔ آج فٹ بال کھیلنے میں وہ اتنا مگن ہو گیا تھا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔ وہ سوچ رہا تھا، اس سے پہلے کہ بھائی جان گھر پہنچ جائیں، میں گھر پہنچ کر کتابیں، کاپیاں لے کر بیٹھ جاؤں گا۔ انھیں شک بھی نہیں ہونے دوں گا کہ میں ابھی ابھی پہنچا ہوں۔ دل ہی دل میں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگ رہا تھا کہ آج بھائی جان کو دفتر سے آنے میں دیر ہو جائے۔

اس کے بھائی دلاور علی ایک پرائیوٹ کمپنی کے دفتر میں ملازم تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وقاص بھی ان کی طرح پڑھ لکھ کر کسی بڑی کمپنی میں افسر لگ جائے، اس لیے وہ وقاص کی پڑھائی پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ وقاص سمجھتا تھا کہ بڑے بھائی بہت ظالم ہیں اور وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے کہ جس میں وقاص کی بے عزتی یا پٹائی نہ ہو۔

ابھی وقاص نے گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ بھائی جان کی آواز سنائی دی:

''شہزادے! کہاں سے آ رہے ہو؟''

''جی ...... بھائی جان! وہ ...... میں ...... کھیل ......'' وہ گھبراہٹ میں پورا جملہ ادا نہ کر پایا۔

''کھیل ...... میری سمجھ میں نہیں آتا، تم سارا دن کھیل کود میں وقت برباد کرنے پر کیوں تُلے رہتے ہو۔ میں اگر گھر میں نہ ہوؤں تو تم کتابوں کو ہاتھ میں بھی نہ لو۔''

''ایسی بات نہیں ہے، دراصل ......'' وقاص نے کہنا چاہا۔

''میں خوب سمجھتا ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔ اب فوراً ہاتھ منھ دھو کر کتابیں لے کر بیٹھ جاؤ۔''

''جی اچھا۔'' وقاص نے سعادت مندی سے کہا۔

بھائی جان کے کہنے پر وہ منھ ہاتھ دھونے آگے بڑھا، لیکن وہ منھ ہی منھ میں بڑبڑا رہا تھا: ''نہ جانے خود کو کیا سمجھتے ہیں۔ ابا جان دنیا میں نہیں رہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ مجھ پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیں۔ اتنا پڑھائی پر توجہ دینے پر بھی ہر وقت یہی کہتے ہیں کہ میں اپنا قیمتی وقت کھیل کود میں ضائع کر رہا ہوں۔''

وقاص کو اپنے ابو نسیم احمد بہت یاد آ رہے تھے۔ وہ اس سے کتنا پیار کرتے تھے، اس کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ تنخواہ ان کی زیادہ نہیں تھی، پھر بھی وہ انھیں احساس نہیں ہونے دیتے تھے۔ ابو کا خیال آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو موتیوں کی طرح جھلملا گئے۔ وہ اکثر جب امی جان سے بھائی جان کی شکایت کرتا تو جواب میں امی وقاص کو ہی سمجھانے لگتیں: ''وہ تیرا بڑا بھائی ہے۔ وہ تیرا بُرا کیسے چاہ سکتا ہے...... تیرے بھلے کے لیے ہی ڈانٹتا ہے۔''

''کیا میں کچھ دیر کے لیے کھیل بھی نہیں سکتا! میں بھی انسان ہوں، میرا بھی دل چاہتا ہے کہ دوسرے بچوں کی طرح کھیل کود میں حصہ لوں۔''

''یہ تم سے کس نے کہا کہ مت کھیلو، خوب کھیلو، مگر پڑھائی کے وقت پڑھائی بھی ضروری ہے۔''

''امی! میرے امتحانی رزلٹ دیکھیں! میں اپنی جماعت میں ہمیشہ سے فرسٹ

آرہا ہوں، پھر بھی کھیلنے پر اعتراض ہوتا ہے۔" وقاص نے کہا۔

"تمھارا بڑا بھائی تمھاری پڑھائی سے بہت خوش ہے اور وہ یہی چاہتا ہے کہ ہر امتحان میں تم اسی طرح پوزیشن لیتے رہو، تا کہ تم بڑے آدمی بن سکو۔"

"امی جان! آپ بھی بھائی جان کی ہی حمایت لیتی رہتی ہیں۔" وقاص ناراض ہو جاتا۔

امی جان اسے اپنی بانہوں میں لے کر انگلیوں سے سر کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے پیار سے سمجھاتیں: "تُو ابھی بچہ ہے، بڑوں کا ڈانٹنا بھی ایک طرح کا پیار ہوتا ہے اور وہ بچوں کے بھلے کو ہی ڈانٹتے ہیں۔"

وقاص کتابیں اور کاپیاں لے کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر گزرنے پر بھائی جان بھی کمرے میں آ گئے اور اس کی کاپیاں چیک کرنے لگے۔ انھیں دیکھ کر وقاص کے چہرے پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس کے سبق کے متعلق سوالات کے جوابات سن کر وہ چلے گئے۔ ان کے جانے پر وقاص نے سکون کا سانس لیا۔ ورنہ وہ سمجھ رہا تھا کہ ابھی کسی سوال کا جواب نہ ملنے پر ڈانٹنا شروع کر دیں گے۔ وہ جب بھی ڈانٹتے تھے، وقاص سمجھتا کہ اس کے کھیلنے کا غصہ نکال رہے ہیں۔

وقاص اکثر دل میں دعا مانگتا تھا کہ بھائی جان کی ڈیوٹی شہر سے باہر لگ جائے، تا کہ ان کے دور رہنے سے وہ سکون سے کھیل کود میں حصہ لے سکے۔ اس کی والدہ اتنی سمجھ دار نہیں تھیں، انھیں چکما دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بھائی جان کی کمپنی کی شاخیں مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ کمپنی بھی دلاور علی کا ٹرانسفر کر سکتی تھی۔

ایک دن وقاص کی دعا قبول ہوگئی۔ دلاور علی کا ٹرانسفر تو نہیں ہوا، مگر چھے ماہ کی ٹریننگ کے لیے انھیں دبئ بھیج دیا گیا۔ دبئ جاتے ہوئے بھی بھائی جان اسے نصیحتیں کرنا نہیں بھولے تھے: ''دیکھو، میرے جانے کے بعد پڑھائی سے غافل نہ ہو جانا۔ خوب دل لگا کر پڑھنا، امتحان میں رزلٹ اچھا آنا چاہیے۔''

وقاص نے انھیں خوش کرنے کے لیے ہاں میں گردن ہلا دی۔

بھائی جان دبئ کیا گئے، وقاص کے مزے آگئے۔ اب کھیلنا زیادہ، پڑھنا کم تھا۔ کھیل کود میں پڑنے سے اکثر ہوم ورک نہ کر پاتا اور اس کی پٹائی بھی ہونے لگی۔ وہ ان آزادی کے چھے ماہ کو بھرپور لطف کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ امی جان کو دکھانے کو وہ کچھ وقت پڑھتا ضرور، تاکہ امی جان موبائل پر بھائی جان سے اس کی شکایت نہ کر سکیں۔

وقاص کو جب پتا چلا کہ ایک ماہ بعد امتحان ہیں تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔ جب تک بھائی جان یہاں تھے، اس نے خوب دل لگا کر پڑھا تھا۔ وہی یاد تھا، اس کے بعد جو کچھ اسے پڑھایا گیا تھا، بعد میں اسے یاد کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ وقاص نے جیسے تیسے کر کے پڑھائی شروع کر دی۔ اب اس کے ذہن پر یہ بات سوار رہنے لگی تھی کہ وہ کس طرح تیاری کر پائے گا۔ اچھا رزلٹ نہ آنے پر بھائی جان تو مار مار کر اسے ادھ موا کر دیں گے۔ یہ سوچ سوچ کر وہ امتحان سے چند دن پہلے شدید بیمار ہو گیا۔ امی جان بھی اس کے بیمار ہونے پر پریشان ہو گئی تھیں۔ علاج ہونے پر وہ ٹھیک ضرور ہو گیا تھا، لیکن امتحان کے دنوں میں وہ اتنے اچھے پیپر نہ دے سکا، جیسے دیا کرتا تھا۔ امتحان میں پوزیشن دور کی بات، پاس ہو جانا بڑی بات ہوتی۔

نتیجے والے دن سب بچے خوش تھے۔ سب نے ہی اچھی تیاری کی تھی۔ اس لیے اچھے نتیجے کے منتظر تھے۔ ان ہی بچوں میں وقاص بھی تھا، لیکن اسے اچھے نتیجے کی اچھی اُمید نہیں تھی، اس لیے وہ پریشان تھا۔ فرسٹ، سیکنڈ اور پھر تھرڈ پوزیشن میں بھی اس کا نمبر نہیں آیا تھا۔ وقاص کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ جب دسویں نمبر پر اس کا نام پکارا گیا، اس کے دل کو کسی قدر قرار آیا۔ ورنہ اس نے ذہنی طور پر یہ سوچ لیا تھا کہ اس دفعہ وہ ضرور فیل ہو جائے گا۔ اس کی جماعت کے بچے بھی حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو بچہ ہمیشہ اپنی جماعت میں فرسٹ آتا رہا ہو، وہ دسویں نمبر پر کیسے آیا۔ یہ بات وقاص ہی جانتا تھا کہ یہ سب اس کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ اس کے بھائی جان دبئی نہ جاتے تو وہ کبھی بھی اپنا سابقہ ریکارڈ خراب نہ کرتا۔ یہ بھائی جان کی سختی کا ہی نتیجہ تھا جو وہ کھیل کے ساتھ ساتھ پڑھائی پر توجہ دیا کرتا تھا۔

وقاص کا نتیجہ دیکھ کر امی جان بھی حیرت زدہ رہ گئیں۔ انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ آخر انھیں یہ تسلیم کر لینا پڑا کہ واقعی ان کا بیٹا جماعت میں دسویں نمبر پر آیا ہے۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی امی کو یہ رزلٹ دیکھ کر شدید دھچکا لگا ہے، لیکن وہ اب کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ گزرا وقت لوٹ کر نہیں آتا۔

نتیجہ آئے مشکل سے ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ بھائی جان کے وطن لوٹنے کی اطلاع مل گئی۔ وقاص کا خوف کے مارے بُرا حال تھا۔ نتیجہ دیکھ کر بھائی کا غصے سے بے قابو ہونا یقینی تھا۔ اسے یقین تھا کہ بھائی جان مار مار کر اس کا بُرا حال کر دیں گے۔ اس خوف میں وہ ایک بار پھر بیمار ہو گیا۔ جس دن بھائی جان گھر لوٹے وقاص کو بہت تیز بخار تھا۔ اسے

سردی بھی لگ رہی تھی، جس سے وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ بھائی جان سامان ایک طرف پھینک کر اس کی جانب بڑھے۔

''وقاص! میرے بھائی، کیسی طبیعت ہے تمھاری؟ میں نے سنا ہے کہ تم امتحان سے چند دن پہلے بیمار پڑ گئے تھے۔ فکر نہ کرو، میں آ گیا ہوں۔ تمھیں اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔'' بھائی جان نے اس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ہاں دلاور بیٹے! اس کی طبیعت اچھی نہ ہونے پر امتحان میں اس کی پوزیشن بھی نہیں آ سکی۔'' امی جان نے کہا۔

''پوزیشن کہاں سے آئے گی! طبیعت اچھی ہوتی تو پیپر اچھے دیتا۔ جب طبیعت ہی ٹھیک نہیں تھی، پھر یہ کیسے امتحان کی تیاری اچھی کرتا۔'' بھائی جان نے کہا۔

وقاص حیرت سے بھائی جان کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی اس کے سخت مزاج بھائی جان ہیں، جو ذرا سی غفلت برتنے پر انتہائی سخت رویہ اپناتے تھے۔

بھائی جان، وقاص کو تسلیاں دے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ رات گئے وقاص جب سونے کے لیے بیڈ پر لیٹا۔ بھائی جان کمرے میں چلے آئے۔ انھیں دیکھ کر وہ اُٹھ گیا۔

''ہاں بھئی، سونے کی تیاری ہو رہی ہے۔''

''جی۔''

''وقاص! مجھے امتحان میں تمھارا دسواں نمبر آنے کا بہت دکھ ہے۔ امی جان کے سامنے میں نے اس لیے کچھ نہیں کہا کہ انھیں صدمہ ہوگا۔''

''ہاں، میں سمجھ گیا تھا۔'' وقاص نے کہا۔

''تمھیں نتیجہ دیکھ کر اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میرے سختی کرنے سے تمھارا نتیجہ کتنا اچھا آتا تھا اور اب میں گھر پر نہیں تھا تو نتیجہ کتنا خراب آیا اور تم نتیجہ خراب آنے کے خوف سے بیمار پڑ گئے۔ میرا سختی کرنا تمھیں بہت بُرا لگتا ہو گا۔ بالکل اسی طرح جب ابا جان مجھ پر سختی کرتے تھے تو مجھے بھی بُرا لگتا تھا۔ ان کی سختی کا نتیجہ دیکھ لو! میں نے اچھے نمبروں سے اچھی پوزیشن لا کر نہ صرف تعلیمی میدان میں کام یابی حاصل کی بلکہ نوکری بھی اچھی حاصل کر لی۔ میرا دوست کلیم تعلیمی میدان میں کوتاہی برتتا تھا، اس لیے نوکری کے لیے دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ میری سفارش پر کمپنی میں معمولی نوکری کر رہا ہے۔ مجھے اسے دیکھ کر دکھ بھی ہوتا ہے۔ اگر محنت کر لیتا تو آج کسی اچھے عہدے پر فائز ہوتا۔ تم پر سختی کرنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ میں تمھاری بہتری چاہتا ہوں، تاکہ تم بھی اچھے عہدے پر فائز ہو جاؤ۔ اس بار تم نے کوتاہی ضرور برتی ہے، لیکن یاد رکھو! تم آیندہ ایسا نہیں کرو گے۔'' یہ کہتے ہوئے بھائی جان کمرے سے چلے گئے۔

''امی جان ٹھیک ہی کہتی ہیں، بھائی جان مجھ پر سختی، ڈانٹ ڈپٹ میرے بھلے کے لیے ہی کرتے ہیں۔ وہ وطن میں نہیں تھے، اس لیے میں بے پروا ہو گیا تھا اور اس کا نتیجہ بھی خراب ہی نکلا۔'' وقاص نے خود کلامی کی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ والد صاحب کے بعد اتنا اچھا بھائی ملا ہے، جو مجھ پر اتنی توجہ دیتا ہے۔ اگر میں نے محنت کی تو ایک دن میں ضرور بڑا آدمی بن جاؤں گا۔ ☆

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام
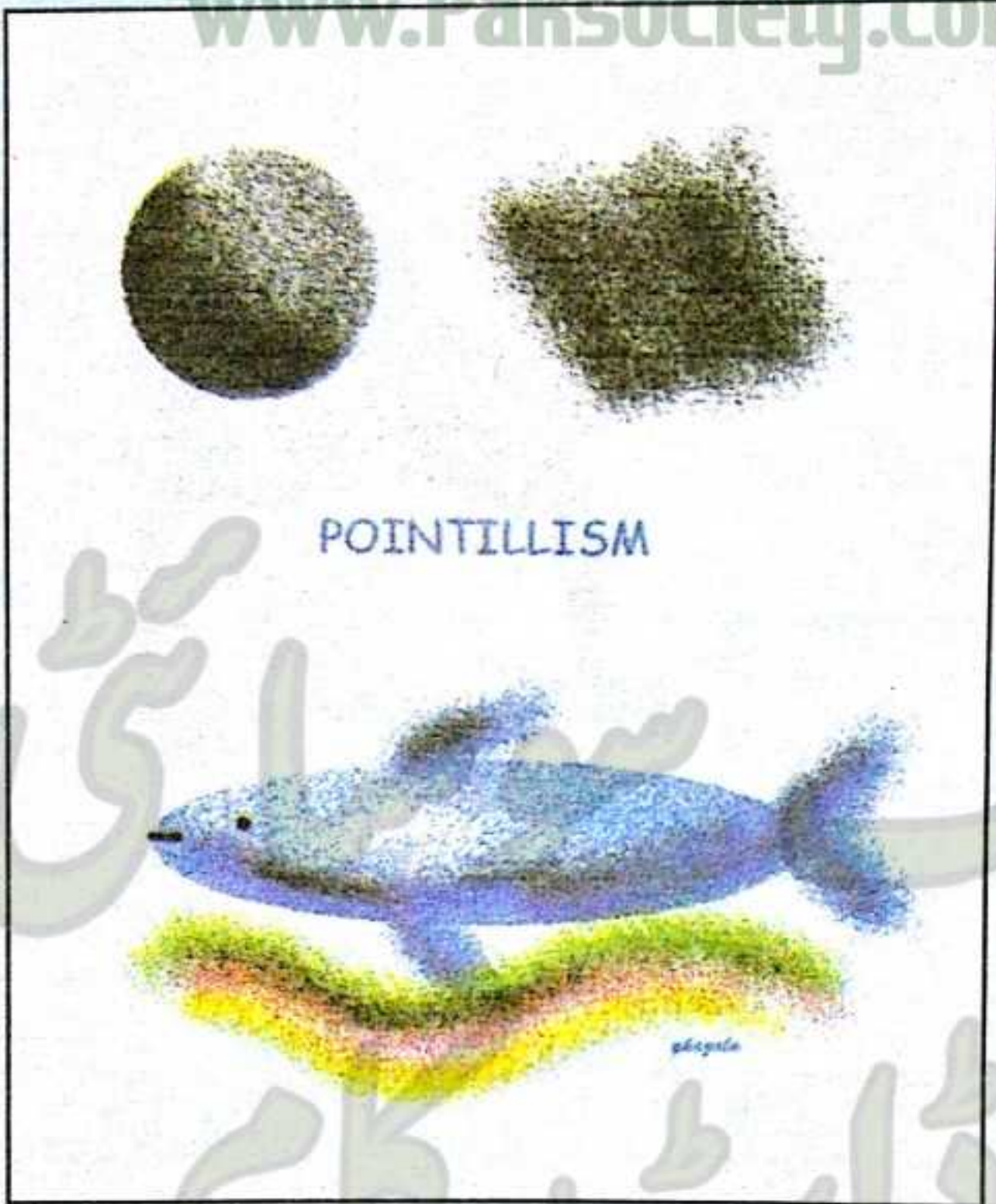
ڈرائنگ کرنے کی ایک ترکیب ''پوائنٹلزم'' (POINTILLISM) استعمال کی جاتی ہے۔ اسے اردو میں ''نِقاط کاری'' کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا فرانس کے ایک مصور نے کی تھی۔ اس طریقے میں برش کے بجائے قلم استعمال ہوتا ہے۔ مختلف رنگوں کو نقطوں کی صورت میں استعمال کر کے تصویر کا تاثر پیدا کیا جاتا ہے۔ تصویر دیکھیے، جس میں ایک مچھلی اور پانی کی لہریں دکھائی گئی ہیں۔ غور کیجیے، جہاں روشنی دکھانی ہے، وہاں نقطے کم ہیں اور جہاں اندھیرا دکھانا ہے، وہاں نقطے زیادہ ہیں۔ آپ جتنی مشق کریں گے، اتنی ہی اچھی تصویر بنے گی۔ ☆

مسکراتی لکیریں

باپ (بیٹے سے): ''تم نے آج تک کوئی ایسا کام نہیں کیا، جس سے میرا سر اونچا ہو۔''

بیٹا: ''کل رات ہی آپ کے سر کے نیچے تکیہ رکھ کر میں نے آپ کا سر اونچا کیا تھا۔''

عزم

شیخ عبدالحمید عابد

''ڈاکٹر صاحب! آپ کے گھر سے تیسری بار فون آچکا ہے۔ آپ کی بیگم نے کہا ہے کہ جلدی گھر پہنچیں۔ مہمان بار بار آپ کو پوچھ رہے ہیں۔'' نرس نے آ کر ڈاکٹر حسنات کو اطلاع پہنچائی۔ یہ اطلاع وہ پہلے بھی دو بار دے چکی تھی۔

''ہاں بھئی، آخری مریض کو دیکھ لوں۔ ان کے بعد کوئی اور مریض بھی آئے تو بھیج دینا، منع مت کرنا۔'' ڈاکٹر حسنات نے مریض کا معائنہ کرتے ہوئے نرس سے کہا۔

''نہیں، ان کے بعد کوئی مریض نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر نرس جانے کے مڑی۔

''اور سنو! اگر دوبارہ گھر سے فون آئے تو کہنا کہ میں نکل چکا ہوں۔ بس پہنچنے ہی والا ہوں گا۔''

''جی اچھا ڈاکٹر صاحب!'' یہ کہہ کر نرس کمرے سے باہر نکل گئی اور سوچنے لگی کہ یہ واحد ڈاکٹر ہے جو دوسروں پر اپنی خوشیاں نچھاور کر دیتا ہے۔ شاید ایسے ہی فرشتہ صفت لوگوں کی وجہ سے دنیا آباد ہے۔

آج ڈاکٹر حسنات کے اکلوتے بیٹے رضا کی سال گرہ کا دن تھا۔ رضا شادی کے پانچ سال بعد بہت منتوں اور مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔ وہ اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ڈاکٹر حسنات کی بیوی فرزانہ بھی ایک تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر تھیں، لیکن وہ عام ڈاکٹروں کی طرح تھیں، جو ڈاکٹر بننے سے پہلے تو ملک اور قوم کی خدمت کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں اور ڈاکٹر بننے کے بعد دکھی انسانیت کی خدمت کے بجائے دولت جمع کرنے میں لگ جاتے ہیں، جب کہ ڈاکٹر حسنات، ڈاکٹر کے روپ میں فرشتہ تھے اور غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ایک ماہر سرجن ہونے کی وجہ سے وہ بے حد مصروف رہتے تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنا کچھ نہ کچھ وقت غریبوں کو دیتے اور مختلف غریب بستیوں میں جا کر اپنے طور پر غریبوں کا مفت علاج کرتے۔ وہ چھٹی بھی نہ کرتے، چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، یہاں تک کہ چھٹی والے دن بھی وہ اپنا کلینک کھلا رکھتے تھے۔ وہ ایک سرکاری اسپتال میں بھی خدمات انجام دیتے تھے۔

ڈاکٹر حسنات جب گھر پہنچے تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ مہمان جا چکے تھے۔ نوکر گھر کی صفائی میں لگے ہوئے تھے اور ان کی بیگم اور بیٹا ایک طرف منھ پُھلائے بیٹھے تھے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی انھوں نے رضا کو آواز دی: ''رضا بیٹا! اِدھر آیئے، یہ لیجیے اپنا تحفہ، سوری مجھ کو دیر ہو گئی۔'' لیکن رضا شاید ان سے خفا تھا، جبھی تحفہ لیے بغیر وہ

اپنے کمرے میں چلا گیا۔ انھوں نے سوچا کہ صبح تک رضا کی ناراضگی ختم ہو جائے گی اور اگر نہیں ہوئی تو وہ خود اس کو منا لیں گے۔ وہ اپنی بیگم سے کہنے لگے: ''معاف کرنا بیگم! ذرا دیر ہو گئی۔ سارے مہمان رخصت ہو گئے؟''

''جی ہاں، کیوں کہ وہ آپ کا مزید انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ آپ سمجھ نہیں سکتے کہ آج آپ کی وجہ سے مہمانوں کے سامنے کتنی شرمندگی اُٹھانا پڑی۔'' ڈاکٹر فرزانہ نے غصے سے کہا۔

''میں آ ہی رہا تھا کہ راستے میں ایک جگہ بہت سے لوگ جمع دیکھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک کار کا حادثہ ہو گیا ہے۔ ڈرائیور بُری طرح زخمی تھا اور کوئی اس کی مدد کرنے پر آمادہ نظر نہ آتا تھا۔ اسے فوری آپریشن کی ضرورت تھی، ورنہ اس کی جان جانے کا خطرہ تھا۔ میں اسے اسپتال لے گیا۔ اسپتال میں کوئی ایسا ڈاکٹر موجود نہیں تھا، جو ایسے پیچیدہ

کیس کو سنبھال سکتا، لہٰذا مجھ کو ہی آپریشن کرنا پڑا۔ شکر ہے خدا کا کہ اس کی جان بچ گئی، ورنہ اس کے گھر والوں کا نہ جانے کیا حال ہوتا۔'' ڈاکٹر حسنات نے اپنے نہ آنے کی وجہ تفصیل سے بیان کی۔

ان کی یہ وضاحت بھی ڈاکٹر فرزانہ کا غصہ ٹھنڈا نہ کر سکی۔ آخر کو آج ان کی اکلوتے بیٹے رضا کی سال گرہ کا دن تھا۔ انھوں نے بدستور خفگی سے کہا: ''تو کیا آپ نے ساری دنیا کا ذمہ لے رکھا ہے۔ آخر کیا مل جاتا ہے آپ کو یہ سب کچھ کر کے۔ آج پتا چل گیا کہ آپ کو اپنے بیٹے سے زیادہ اپنے مریض اور اپنی شہرت عزیز ہے۔ آپ کو اپنے گھر کے بجائے اپنی شہرت سے زیادہ پیار ہے۔''

ڈاکٹر فرزانہ کی اس بات پر ڈاکٹر حسنات کو بھی غصہ آ گیا: ''کیا تم سمجھتی ہو کہ میں یہ سب کچھ شہرت حاصل کرنے کے لیے کرتا ہوں؟ نہیں فرزانہ بیگم! یہ میرا عزم ہے۔ بیٹے کی محبت اپنی جگہ اور میرا مریض اپنی جگہ۔ میں پہلے بھی تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میرے عزم کی راہ میں کوئی رکاوٹ میرا راستہ نہیں روک سکتی۔ تم نے آج سے پہلے کئی بار مجھ سے پوچھا ہے کہ آخر میں نے یہ عزم کیوں کر رکھا ہے، تو سنو! آج میں تمھیں بتاتا ہوں کہ آخر کیوں میں نے یہ عزم کیا تھا۔

وہ ذرا دیر کو رُکے اور پھر پُر سکون لہجے میں بولے: ''پختہ عزم کے معنی تو تم جانتی ہو ناں، یعنی پکا اور مضبوط ارادہ۔ یہ اس وقت کی بات ہے، جب میں تیرہ برس کا تھا۔ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ زندگی اپنے تمام رنگ سمیٹے ہمارے ساتھ تھی۔ ہم بہت خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے کہ ایک دن ایک دعوت سے گھر لوٹتے ہوئے ہماری کار کو ایک ٹرک

نے ٹکر مار دی۔ ٹرک ڈرائیور فرار ہو گیا۔ مجھے زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی۔ میں نے لوگوں سے مدد کی درخواست کی، مگر کوئی بھی اس معاملے میں پڑنا نہیں چاہتا تھا، سب تماشا دیکھ رہے تھے۔ آخر ایک خدا ترس انسان کو مجھ پر رحم آ گیا۔ وہ ایمبولینس لے آیا اور ممی، ڈیڈی کو اس میں ڈال کر اسپتال لے گئے۔ اسپتال میں صرف ایک ڈاکٹر تھا، جس کی ڈیوٹی اس وقت ختم ہو چکی تھی اور وہ اپنے گھر جا رہا تھا۔ وہ آدمی بھی مجھے اسپتال پہنچا کر غائب ہو گیا تھا۔ شاید وہ بھی اس بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر نے ممی، ڈیڈی کی نبض دیکھی تو پتا چلا کہ ممی مجھ سے بہت دور چلی گئیں تھیں۔ جانے کیسا سنگ دل ڈاکٹر تھا، جسے مجھ پر بالکل رحم نہیں آیا اور وہ چلا گیا۔ شاید اس کے گھر کوئی تقریب تھی۔ میں روتا رہا۔ اسپتال کا دوسرا عملہ مجھے تسلیاں دیتا رہا۔ اس دوران میرے ڈیڈی بھی مجھ سے بہت دور چلے گئے۔''

ڈاکٹر حسنات کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ کچھ دیر بعد بولے: ''میں نے اسی وقت عزم کر لیا کہ میں ڈاکٹر بنوں گا اور جہاں تک ہو سکے گا، غریبوں کا مفت علاج کروں گا۔ ممی، ڈیڈی کے مرنے کے بعد میرے رشتے داروں نے آنکھیں پھیر لیں۔ میرے تایا نے تمام جائداد پر قبضہ کر کے مجھے گھر سے نکال دیا۔ دنیا اتنی سنگ دل ہو سکتی ہے، یہ میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ میں نے دن رات محنت مشقت کی اور ساتھ ساتھ اپنی پڑھائی بھی جاری رکھی۔ اچھے نمبر حاصل کرنے کی وجہ سے تعلیم کے لیے وظیفہ بھی ملتا رہا اور آج میں اس قابل ہوں کہ اپنا عزم پورا کر سکوں۔''

''ڈیڈی ڈیڈی۔'' یہ آواز سن کر وہ چونکے۔ رضا جانے کب سے کھڑا ان کی یہ

داستان سن رہا تھا۔ رضا نے قریب آ کر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے ان کے آنسو صاف کیے اور گلے میں بانہیں ڈال کر کہا: ''مجھے آپ پر فخر ہے ڈیڈی!''

''مجھے معاف کر دیجیے۔ مجھے بھی آپ کے اس نیک عزم پر شرمندگی نہیں، بلکہ خوشی ہے۔'' ڈاکٹر فرزانہ نے کہا اور ڈاکٹر حسنات کو یوں لگا جیسے وہ تیز دھوپ سے ٹھنڈی چھاؤں میں آ گئے ہوں۔

☆☆☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

فیضان احمد خاں، میر پور خاص
مریم سہیل، کراچی

اریبہ علی، اٹک
سعدیہ طارق، کراچی

راؤ اعزاز حنظلہ، مانسہرہ

حُسنِ اخلاق

فیضان احمد خاں، میر پور خاص

کسی انسان سے اچھی زبان میں بات کرنا، نرمی سے پیش آنا، کسی کی تکلیف میں شریک ہونا، یعنی کسی سے اچھا سلوک کرنا ہی حُسنِ اخلاق ہے۔ اسلام نے انسان کی زندگی میں اخلاق کو سب سے بلند مقام دیا ہے۔

حُسنِ اخلاق کے بارے میں کچھ احادیث اور اقوال درجِ ذیل ہیں:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حُسنِ اخلاق سے پیش آؤ۔'' پھر فرمایا: ''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو، اسے چاہیے کہ ماں، باپ سے حُسنِ اخلاق سے پیش آئے۔''

ایک اور موقعے پر فرمایا: ''مسلمانوں میں کامل ایمان، اس شخص کا ہے، جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔'' ایک اور جگہ ارشادِ نبویؐ ہے: ''کسی انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا، جب تک اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا: ''انسان کی گفتگو آئینے سے بہتر، اس شخص کا عکس دکھاتی ہے۔'' یعنی انسان کی گفتگو سے اس کے مزاج کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

ایک حکایت ہے کہ کسی نے حضرت شیخ سعدیؒ سے پوچھا: ''انسان میں کتنے عیب ہوتے ہیں؟''

آپؒ نے فرمایا: ''انسان میں بے شمار عیب ہوتے ہیں، مگر ایک چیز ان سب عیبوں پر پردہ ڈال دیتی ہے اور وہ ہے حُسنِ اخلاق۔''

اس حکایت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں کتنی ہی بُرائیاں ہوں، کتنی ہی خامیاں ہوں، لیکن اگر اس کا اخلاق اچھا ہے تو ان بُرائیوں کو لوگ بڑی حد تک نظر انداز کر دیتے ہیں۔

''مخاطب کرنے والے کے انداز سے لوگ اس کی تہذیب کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ یہ شہید حکیم محمد سعید کا قول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گفتگو کا انداز اچھا ہونا چاہیے۔ یہ بھی حُسنِ اخلاق ہے۔

ایک حکایت ہے کہ انسان خود عظیم نہیں، بلکہ اس کا کردار اس کو عظیم بناتا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آئی کہ انسان تو کچھ بھی نہیں، اس کی شخصیت اس کو اچھا بناتی ہے۔

ان باتوں سے اگر کسی نونہال کی اصلاح ہو جائے تو مجھے اور کیا چاہیے۔

اردو

اریبہ علی، اٹک

چھٹی کا دن تھا۔ احمد صبح دیر سے اُٹھا، ناشتا کیا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ ابھی باہر نکلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اچانک شور سنائی دیا جیسے کوئی جلوس آ رہا ہو۔ احمد کھڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ویسے بھی آج موسم بہت اچھا تھا۔ شور آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا۔ احمد کا گھر گلی کے کونے پر تھا۔ البتہ جب اس نے آگے جھانک کر دیکھا تو بہت سارے بچے گلی میں جھنڈے اُٹھائے ہوئے داخل ہوئے۔ ایک بچہ ان میں کچھ بڑا لگ رہا تھا۔ اس نے سب سے بڑا جھنڈا اُٹھایا ہوا تھا۔ احمد ابھی اس کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اس نے نعرہ لگایا: ''ہماری شان''

جواب میں سب بچوں نے کہا: ''اردو۔''

اس نے پھر کہا: ''ہماری جان۔''

بچوں نے کہا: ''اردو۔''

اس نے کہا: ''ہماری آن۔''

بچوں نے کہا: ''اردو۔''

اس نے کہا: ''ہماری زبان۔''

بچوں نے کہا: ''اردو۔''

غرض وہ جو بھی کہتا، جواب میں بچے اردو کہتے۔

احمد ان کو حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ جو بچے کبھی پینٹ شرٹ اُتارتے نہ تھے، وہ آج شلوار قمیص پہنے آگے بڑھے جا رہے تھے۔ پھر اس نے دیکھا کہ بہت سے بچے گھروں سے نکل نکل کر جلوس میں شامل ہو رہے ہیں۔ احمد بھی اُٹھا۔ امی سے اجازت لی اور تیار ہو کر جلوس میں شامل ہو گیا۔ جلوس آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک میدان میں جا کر رُک گیا۔ میدان ایک جلسہ گاہ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ بہت سے بچے اپنے گھروں سے کرسیاں اور صوفے لا کر رکھ رہے تھے۔ اسٹیج سج چکا تھا۔ مہمانِ خصوصی برابر والے گاؤں کے بچے تھے۔ سب مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک دم شور اُٹھا: ''مہمان آگئے، مہمان آگئے۔'' مہمانوں پر پھول اور پتیاں نچھاور کی گئیں۔ پھر مہمان بچے اسٹیج پر آئے۔ مائیک سنبھالا اور حاضرین کے سامنے کافی دیر تک اردو کے حق میں تقریر کرتے رہے۔

پھر سب بچوں نے بسکٹ کھائے اور چائے پی۔ گھر واپس آتے وقت ان کو ایک بڑے سائز کی تصویر تحفے میں دی گئی۔ تصویر میں اسپتال کا بڑا دروازہ دکھایا گیا تھا، جہاں ایک ایمبولینس کھڑی تھی۔ ایمبولینس پر لکھا تھا: ''ہم اردو کو مرنے نہیں دیں گے۔''

وہ دن بہت اچھا گزرا۔ اگلے دن احمد جب اسکول گیا تو بچوں میں حیرت انگیز تبدیلی دیکھی۔ یو آر، نو، ویلکم، اور تھینک یو کہنے والے

بچے آپس میں ایک دوسرے کو السلام علیکم، خوش آمدید، شکریہ اور جزاک اللہ کہہ رہے تھے۔

یہ دیکھ کر احمد کو یقین ہو گیا کہ اچھے بچے اپنی پیاری زبان اردو کو کبھی مرنے نہیں دیں گے۔

صاحب بہادر

مریم سہیل، کراچی

دیو بند (انڈیا) میں ایک صاحب تھے۔ جو ایک انگریز کے پاس میر منشی کے عہدے پر فائز تھے۔ انگریز کلکٹر کا یہ خیال تھا کہ میں اردو بہت اچھی جانتا ہوں۔ چناں چہ اکثر وہ میر منشی سے کہا کرتا تھا: ''ویل میر منشی! ہم تم سے زیادہ اردو جانتے ہیں۔'' اور میر منشی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے، کیوں کہ ملازمت کا سوال تھا۔

ایک دن کسی بات پر انگریز نے میز پر ہاتھ مار کر پھر وہی جملہ دہرایا۔ اس مرتبہ میر صاحب کو بھی جوش آ گیا اور انھوں نے سوچ لیا کہ ملازمت رہے یا نہ رہے، مگر کم از کم ایک مرتبہ اس کو جواب تو دے ہی دوں۔ چناں چہ انھوں نے دونوں ہاتھوں سے میز پر مکے مار کر کہا: ''صاحب بہادر! آپ اردو کی الف ب بھی نہیں جانتے۔''

یہ سن کر وہ انگریز بڑا حیران ہوا اور کہا:

''تم ہمارا امتحان لو۔''

انھوں نے کہا: ''اگر میں امتحان لوں تو صاحب بہادر بغلیں جھانکنے لگیں۔''

اب تو صاحب بہادر واقعی بغلیں جھانکنے لگے کہ اس کا کیا مطلب ہوا۔ بہت غور کیا، مگر خاک سمجھ میں نہ آیا۔ آخر کہا کہ تین دن کی مہلت دو۔

میر صاحب نے کہا: ''میری طرف سے سات دن کی مہلت ہے۔''

غرض اس نے اس جملے کو لغت میں تلاش کیا، مگر لغت میں کیا ملتا۔ لغت میں بغل کا لفظ تو مل گیا اور جھانکنا مل گیا، مگر یہ پورا جملہ کہاں ملتا۔ آخر اس نے سات دن کے بعد کہا: ''اس کا مطلب یہی ہے کہ پہلے

ایک بغل کو اُٹھا کر دیکھ لیا، پھر دوسری طرف کی بغل کو اسی طرح دیکھ لیا۔

میر منشی یہ سن کر ہنس پڑے۔ تب اس نے پوچھا: ''پھر اس کا مطلب کیا ہے؟''

میر منشی نے کہا: ''اس شرط پر بتاؤں گا کہ پھر کبھی اردو دانی کا دعویٰ نہ کریں۔''

چناں چہ اس نے اقرار کیا، پھر میر منشی نے اس کا مطلب بتایا کہ اگر صاحب بہادر کا امتحان لیا جائے تو وہ حیرت میں پڑ جائیں گے۔''

درست فیصلہ

سعدیہ طارق، کراچی

''دادا ابو، دادا ابو! کہاں ہیں آپ؟''

ثاقب چیختا ہوا دادا ابو کے کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا ہوا بیٹا! کیوں چیخ رہے ہو؟''

دادا ابو نے ثاقب کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''دادا ابو! امی کہہ رہی ہیں کہ میں صرف اور صرف ڈاکٹر ہی بنوں۔'' ثاقب نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، میرا پوتا ضرور ڈاکٹر بنے گا۔'' دادا ابو نے کہا اور اپنے کمرے میں چلے گئے اور ثاقب اپنے کمرے میں پڑھنے چلا گیا۔

ثاقب نے حال ہی میں میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کر کے ایک اچھے کالج میں داخلہ لیا تھا۔

انٹر کے بعد ثاقب نے میڈیکل کالج کے داخلہ ٹیسٹ کی تیاری کی اور ٹیسٹ دیا۔ نتیجہ آیا تو وہ ناکام ہو گیا۔ گھر آیا تو ابا جان کی آواز آئی: ''ثاقب، ثاقب بیٹا! کہاں ہو؟'' ابو آواز دیتے ہوئے کمرے میں آئے۔

''کیا ہوا بیٹا! ایسے کیوں بیٹھے ہو؟ اور یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' ابو نے حیرت سے پوچھا۔

''ابو! یہ میرے میڈیکل کے داخلہ ٹیسٹ کا نتیجہ ہے، میں فیل ہو گیا ابو!'' ثاقب نے مایوسی سے جواب دیا۔

''تو کیا ہوا بیٹا! تم یونی ورسٹی میں داخلہ لے لینا۔ ڈاکٹر کے علاوہ بھی دنیا میں بہت اچھے پیشے ہیں، جن کو اختیار کر کے تم انسانیت کی خدمت کر سکتے ہو، مایوس مت ہو بیٹا! ہمت مت ہارو۔'' ابو نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''نہیں، میں مایوس ہو گیا ہوں، میں آگے نہیں پڑھوں گا۔'' ثاقب ابو کو حیرتوں میں گھرا ہوا چھوڑ کر کمرے سے باہر جا کر لان میں بیٹھ گیا۔

ایک دن ثاقب دادا ابو کے ساتھ مارکیٹ جا رہا تھا۔

''ثاقب بیٹا! پہلے کسی کتابوں کی دکان پر چلتے ہیں مجھے ایک لغت خریدنی ہے۔'' دادا ابو نے ثاقب سے کہا۔

وہ دونوں کتابوں کی دکان میں داخل ہوئے تو دکان کا مالک اپنے ملازم بچے کو کسی بات پر زور زور سے ڈانٹ رہا تھا۔ مالک نے ان دونوں کو آتا دیکھ کر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے اسے کتابوں کے اسٹور میں صفائی کرنے بھیج دیا۔ دادا ابو دکان میں کتابیں دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔ ثاقب موقع دیکھ کر اس بچے کے پیچھے چل دیا۔ تھوڑی دور جا کر ثاقب نے اسے آواز دے کر روکا: ''سنو، کیا نام ہے تمھارا؟''

وہ لڑکا پیچھے مڑا اور حیران ہوتے ہوئے بولا: ''میرا نام عامر ہے، مگر آپ کون ہیں؟''

''میں ثاقب ہوں۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ تمھاری عمر تو پڑھنے کی ہے پھر تم یہ نوکری کیوں کر رہے ہو؟ جہاں تمھیں اتنی ڈانٹ پڑتی ہے؟'' ثاقب نے اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''اگر میں نوکری نہیں کروں گا تو پھر گھر کا خرچ کیسے پورا ہوگا!'' عامر نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیوں کیا ہوا؟ تمھارے ابو کام نہیں کرتے ہیں جو تمھیں نوکری کرنی پڑ رہی

ہے؟'' ثاقب نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''میری تین بہنیں ہیں۔ میرے بچپن میں ہی والد کا انتقال ہو گیا تھا اور والدہ پڑھی لکھی نہیں ہیں، اس لیے انھیں لوگوں کے گھروں میں کام کرنا پڑتا ہے، لیکن وہ مجھے اور میری بہنوں کو پڑھا رہی ہیں۔ میں صبح اسکول جاتا ہوں اور باقی وقت گھر کا خرچ پورا کرنے کے لیے یہاں دکان پر نوکری کرتا ہوں۔'' عامر نے تفصیل سے بتایا۔

''تو تم اپنا ہوم ورک کیسے کرتے ہو؟ تمھیں وقت مل جاتا ہے؟'' ثاقب نے حیرت سے پوچھا۔

''میں رات کو جاگ کر اپنا ہوم ورک کرتا ہوں مجھے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ چاہے مجھے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑے، مگر اپنی پڑھائی ضرور مکمل کروں گا۔ میں ہمت نہیں ہاروں گا۔'' عامر مضبوط لہجے میں بولا۔

''ثاقب، ثاقب بیٹا! تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟''

''آ رہا ہوں دادا ابو!'' وہ لڑکے سے ہاتھ ملا کر واپس ہوتے ہوئے بولا۔

''کیا کہہ رہا تھا یہ لڑکا؟'' دادا ابو نے ثاقب سے پوچھا۔

ثاقب نے دادا ابو کو ساری بات بتائی تو دادا ابو نے کہا: ''بیٹا! ہم بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ تم یونی ورسٹی میں داخلہ لے لو۔ تم نے دیکھا، اگر آج عامر کی امی پڑھی لکھی ہوتیں تو وہ اچھی جگہ ملازمت کر کے اپنے بچوں کی پرورش کر لیتیں اور عامر کو یوں نوکری نہ کرنی پڑتی۔ بیٹا! اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمھارے ماں باپ سلامت ہیں اور وہ تمھیں پڑھا رہے ہیں۔ ناشکری نہ کرو۔ تمھارے پاس کتنی سہولتیں ہیں پڑھنے کے لیے، زندگی گزارنے کے لیے۔ تم ماشاءاللہ صحت مند بھی ہو، ورنہ کتنے لوگ ہیں جو کسی معذوری کی وجہ سے پڑھ نہیں پاتے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا

سیکھو بیٹا! تم جتنا شکر ادا کرو گے وہ تمھیں اتنا ہی نوازے گا۔''

گھر آکر ثاقب کوئی کتاب پڑھ رہا تھا کہ دادا ابو نے پوچھا:'' ثاقب بیٹا! یہ کیا پڑھ رہے ہو؟''

''یونی ورسٹی میں داخلے کی آخری تاریخ میں کتنے دن باقی ہیں دادا ابو!'' ثاقب نے سر اُٹھا کر پوچھا۔

دادا ابو نے حیرت سے ثاقب کو دیکھا تو ثاقب نے کہا:'' دادا ابو! میں ضرور آگے پڑھوں گا اور پڑھ لکھ کر اسکول بناؤں گا جس میں وہ تمام بچے پڑھیں گے، جو کسی مجبوری کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتے اور پھر کسی بچے کو عامر کی طرح مجبوراً نوکری نہیں کرنا پڑے گی۔''

''شاباش میرے بچے۔'' دادا ابو نے ثاقب کو گلے لگاتے ہوئے کہا:'' اللہ سے اُمید لگائے رکھو، اس کے ہر فیصلے میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔ تم ضرور ایک کام یاب انسان بنو گے۔ میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔''

''شکریہ دادا ابو۔'' دادا ابو کا شکریہ ادا کر کے ثاقب ایک نئے عزم کے ساتھ کتابوں کی طرف بڑھ گیا۔

وہم

راؤ اعزاز حنظلہ، مانسہرہ

کچھ دن پہلے عزیز میاں کو ان کے بھائی کی طرف سے تحفے میں ایک گھڑی ملی تھی۔ عزیز میاں کو وہ گھڑی اتنی پسند آئی کہ وہ ہر وقت اسے پہنے رہتے۔

ایک دن صبح سویرے جب عزیز میاں نہا کر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی لاڈلی گھڑی چلتے چلتے رک گئی ہے۔ عزیز میاں نے گھڑی کو کئی مرتبہ جھٹکا۔ ایک دو مرتبہ تو فضا میں اُچھال کر بھی دیکھا، لیکن گھڑی کو نہ چلنا تھا نہ چلی۔ عزیز میاں کو دکھ تو بہت ہوا، لیکن بھائی سے محبت کی خاطر گھڑی کو ہاتھ پر ہی پہنے رکھا۔

تین روز بعد عزیز میاں جب صبح سویرے اُٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھڑی کی سوئیاں دوبارہ چل رہی ہیں۔ کچھ لمحے کے لیے تو وہ سکتے میں آ گئے اور جب حواس بحال ہوئے تو اپنے جسم کو ٹٹول کر دیکھا کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں۔ انھوں نے سن رکھا تھا کہ اگر کوئی رُکی ہوئی چیز خود بخود چلنا شروع ہو جائے تو انسان کی موت قریب آ جاتی ہے۔ میاں جی بھی اس وہم کا شکار ہو چکے تھے۔

پھر کیا تھا میاں جی نے آناً فاناً گھر کے سب لوگوں کو جمع کر کے اپنی متوقع موت کا اعلان کر دیا اور سب کو آنے والے حالات کے بارے میں تیار ہونے کا کہہ دیا۔ میاں جی کی بیوی بولی: ''لطیف کے ابا! یہ صبح صبح کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔''

میاں جی تو اپنی بات پر قائم رہے، مگر ان کے گھر کے افراد نے اس بات کو ہوا میں اُڑا دیا۔ یہ اعلان کرنے کے بعد عزیز میاں نے بازار کا رُخ کیا۔ کافور، خوشبو اور پھولوں کی پتیاں خریدیں۔ اس کے بعد ایک دکان سے کفن کا کپڑا خریدا۔ پھر محلے کی مسجد کا رُخ کیا اور اونچی آواز میں یوں اعلان کرنے لگے:

''حضرات! ایک ضروری اعلان سماعت فرمائیں۔ ہم یعنی عبدالعزیز ولد عبدالکریم، لطیف اور حبیب کے والد آج رضائے الٰہی سے وفات پا جائیں گے۔ نمازِ جنازہ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔''

پھر میاں جی گھر گئے جاے نماز بچھائی ہاتھ میں تسبیح اور سر پر ٹوپی لے کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ کبھی نفل پڑھتے، کبھی سجدے میں گر کر اپنے چھوٹے بڑے گناہوں کی معافی مانگتے۔ کبھی دونوں ہاتھوں کو ایک فٹ کے فاصلے پر اُٹھا کر بخشش کی دعائیں مانگتے اور کبھی منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دینے کی پریکٹس کرتے۔ سورج ڈھلنے کے بعد ان کا

خوف اور بڑھ گیا۔ اسی دوران کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ سمجھے کہ موت کا فرشتہ روح قبض کرنے آ گیا ہے۔ میاں جی نے اپنے حواس قابو میں رکھتے ہوئے کہا: ''اندر آ جائیے ہم مرنے کے لیے تیار ہیں۔''

عزیز میاں کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ جونہی دروازہ کھلا کمرے میں روشنی کا ظہور ہوا۔ میاں جی کے خوف نے حدیں عبور کرلیں اور اپنے حواس پر قابو نہ پاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔

رات کے آخری پہر میں جب میاں جی کی آنکھ کھلی تو کمرے میں گھپ اندھیرا پا کر اسے اپنی قبر سمجھ بیٹھے اور اونچی آواز میں ذکرِ الٰہی شروع کردیا۔ اسی دوران انھیں آہٹ کا احساس ہوا اور دو سائے اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔ انھیں دیکھ کر میاں جی نے اپنے ذکر کی آواز اور تیز کردی۔ ایک سائے نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بولا: ''ابا جی! آپ ٹھیک تو ہیں؟''

میاں جی پہلے تو کچھ نہ سمجھے، مگر تھوڑی دیر بعد انھیں یقین آ گیا کہ وہ زندہ ہیں۔ پچھلے چند دنوں کے حالات ان کے ذہن میں گھومنے لگے۔ تبھی انھیں یاد آیا کہ کچھ دن پہلے نہاتے وقت وہ اپنی گھڑی اُتارنا بھول گئے تھے۔ جس کی وجہ سے گھڑی میں پانی بھر گیا تھا اور وہ رک گئی تھی۔ پچھلے روز جب پانی خشک ہو گیا تو گھڑی خود بخود چلنے لگی تھی۔ میاں جی اپنی اس بے وقوفی پر مسکرائے اور لطیف سے بولے: ''ہاں، ہم ٹھیک ہیں۔''

اسی دوران مسجد سے فجر کی اذان کی آواز سنائی دی۔ میاں صاحب بستر سے اُترے۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑی گھڑی کو ایک نظر دیکھا اور اپنا سر جھٹک کر نماز کی تیاری کے لیے چل دیے۔

اس دن میاں جی نے عہد کیا کہ آیندہ کسی بھی قسم کے وہم کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیں گے۔ ☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ جولائی ۲۰۱۵ء کے بارے میں ہیں

✿ پہلی بات میں قول ''علم روشنی ہے'' روشنی زندگی ہے، بہت اچھا لگا اور میرے لیے تو یہ روشنی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ روشن خیالات ہمیشہ کی طرح روشن تھے۔ نظموں میں ''رسول پاکؐ کا اخلاق'' (امان اللہ نیر شوکت)، آلودگی (ضیاء الحسن ضیا)، پیغام (محمد شفیق اعوان)، آؤ بلبلے بنائیں (ادیب سمیع چمن) سب اچھی تھیں۔ کہانیوں میں نیا پڑوسی (وقار محسن) کی تحریر سب سے زیادہ اچھی لگی۔ واقعی کسی کو پرکھے بغیر اس کے بارے میں غلط اندازے لگانا مناسب نہیں۔ باقی تمام کہانیاں بھی منفرد اور اچھی تھیں۔ باقی سلسلے بھی بہت پسند ہیں تو اچھے بھی لگے۔ **مشعل نایاب بنتِ زاہد شاہ، کراچی۔**

✿ جولائی کا شمارہ ہر لحاظ سے مکمل اور اچھا تھا۔ سب سے پہلے سرورق دیکھا۔ اتنا خوب صورت بچہ تھا کہ دل خوش ہو گیا۔ اس کے بعد جاگو جگاؤ سے پہلی بات پر پہنچے۔ روشن خیالات نے ہمارے خیالات ہمیشہ کی طرح روشن کر دیے۔ نظمیں سب زبردست تھیں۔ خاص طور پر نظم ''آؤ بنائیں بلبلے'' پڑھ کر بچپن یاد آ گیا۔ کہانیاں لاجواب تھیں۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ تحریروں میں عیدی اچھی لگی۔ اسے پڑھ کر ہمیں اپنی پچھلی عیدیں یاد آ گئیں۔ **مدیحہ رمضان، اوتھل۔**

✿ ہر کہانی مزے دار اور چٹپٹی تھی۔ کہانیوں میں بلاعنوان، مچھلیوں کی تلاش، عقل مند چڑیا، بہن ہو تو ایسی اور نیا پڑوسی پسند آئیں۔ مضامین میں ہمارے بزرگ، ہمارے محسن، ہماری عید، عیدی، معلومات ہی معلومات، سرسید احمد خاں اور ایک پیارا انسان، ایک مقبول شاعر (مسعود احمد برکاتی) اچھے مضمون تھے۔ جوتے کی چوری اور سوتیلی امی بھی پیاری کہانیاں تھیں۔ **حافظ زبیر، حمنہ، ناعمہ، آسیہ، عالیہ زبیر، آفیہ، کراچی۔**

✿ سرورق پر موجود بچی بہت ہی پیاری اور معصوم لگ رہی تھی۔ سرورق کی طرح پورا رسالہ بہت ہی اچھا تھا۔ نیا پڑوسی (وقار محسن) کہانی نے بہت ہی اچھا سبق دیا۔ مچھلیوں کی تلاش (جاوید اقبال) ایک خوب صورت کہانی تھی۔ بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس) میں گھوڑے کی وفاداری نے کمال کر دیا۔ ہمارے بزرگ، ہمارے محسن (نظر زیدی) میں خواجہ الطاف حسین حالی کے بارے میں نئے انداز سے جاننے کا موقع ملا۔ ایک پیارا انسان، ایک مقبول شاعر (مسعود احمد برکاتی) میں قمر ہاشمی کے متعلق جاننے کا موقع ملا۔ معلومات ہی معلومات (غلام حسین میمن) بہت ہی کارآمد معلومات سے بھرپور تحریر تھی۔ پورا رسالہ بہت ہی اچھا اور انتھک محنت کا ثبوت تھا۔ انکل! سلمیٰ کے معنی کیا ہیں؟ **کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری، کراچی۔**

> سلمیٰ عربی کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے کہ (اللہ) اس کو سلامت رکھے، لیکن یہ عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے لفظ سلمہ استعمال ہوگا۔

✿ ہمدرد نونہال پڑھا۔ تمام کہانیاں اور معلوماتی سلسلے بہت پسند آئے۔ **رمعۂ اسحاق، قصور۔**

✿ جولائی کا شمارہ ملا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ پھر پہلی بات اور جاگو جگاؤ اچھے لگے۔ سرسید احمد خاں معلوماتی مضمون تھا۔ کہانیوں میں بہن ہو تو ایسی (محمد ذوالقرنین خان) پڑھی، بہت پیاری کہانی تھی۔ عقل مند چڑیا دوسرے نمبر پر تھی۔ سوتیلی ماں بھی پیاری تحریر تھی۔ **ولید احمد، اٹک۔**

✿ ہمدرد نونہال کا نام سنا ہوا تھا۔ اپنے دوست لیاقت علی

تلمبہ کے کہنے پر خرید کر پڑھا۔ بہت عمدہ تھا۔ یہ بھی علم ہوا کہ یہ اپنے عمر کے تریسٹھ برس گزار چکا ہے۔ ہر آن اس کی پرواز بلند رہتی ہے۔ افسوس ہوا کہ میں اب تک اس سے محروم رہا۔ **وقار عثمان، راولپنڈی۔**

❁ اس دفعہ کا شمارہ بہت خوب تھا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ کہانیوں میں بہن ہو تو ایسی، جوتے کی چوری اور نیا پڑوسی (وقار محسن) بہت خوب تھیں۔ انکل! کیا ہم بڑی کہانیاں لکھ سکتے ہیں؟ **زینب بتول، اسلام آباد۔**

بڑی کہانیوں سے کیا مراد ہے؟ لمبی یا اچھی؟ بڑی ہوں، مگر اچھی کہانیاں باری آنے پر شائع ہو جاتی ہیں۔

❁ سرورق بہت دل کش تھا، جاگو جگاؤ نے واقعی بہت سی باتیں سکھائیں۔ پہلی بات میں اس مہینے کے خیال نے دل و دماغ دونوں روشن کردیے ہیں۔ روشن خیالات بھی اچھے۔ نظموں میں رسولِ پاک کا اخلاق (امان اللہ نیر شوکت) بہت اچھی تھی، سبحان اللہ۔ آلودگی (ضیاء الحسن ضیا) اور پیغام (محمد شفیق اعوان) میں ہمارے لیے بہت سے پیغام چھپے تھے۔ بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس) ڈراؤنی تھی، مگر اس میں ایک وفاداری کا سبق بھی تھا۔ باقی کہانیوں میں اول نمبر پر بہن ہو تو ایسی اور نیا پڑوسی، دوئم نمبر پر عقل مند چڑیا اور مچھلیوں کی تلاش اور سوئم نمبر پر جوتے کی چوری تھی۔ مضمون سر سید احمد خاں (مسعود احمد برکاتی) معلومات سے بھرپور تھا۔ ایک پیارا انسان ایک مقبول شاعر (مسعود احمد برکاتی) پڑھ کر دکھ ہوا۔ **عروبہ محمد شریف، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ چندِ آفتاب اور چندِ ماہتاب تھا۔ ہر کہانی اپنی جگہ نہایت زبردست اور سبق آموز تھی۔ بلاعنوان کہانی ہمیشہ کی طرح زبردست اور مشکل تھی۔ کہانیاں بہن ہو تو ایسی، مچھلیوں کی تلاش اچھی لگیں۔ سر سید احمد خاں ایک معلوماتی مضمون تھا۔ **عمیرہ صابر، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ ملا۔ سرورق دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ کہانی نیا پڑوسی میں کئی سبق پوشیدہ تھے۔ نظم "آؤ بنائیں بلبلے" بہت زبردست تھی۔ جوتے کی چوری حیرت انگیز تحریر تھی۔ سوتیلی امی پڑھ کر تھوڑا دکھ ہوا۔ باقی سب تحریریں بھی اچھی تھیں۔ نونہال ادیب میں سارہ کی بلی اور نادان مداری ٹاپ پر تھیں۔ **حرا سعید شاہ، جوہر آباد۔**

❁ جاگو جگاؤ میں عید الفطر کے بارے میں اچھی معلومات دی گئی۔ نظموں میں پہلے نمبر پر رسولِ پاک کا اخلاق اور پیغام پسند آئیں۔ باقی نظمیں بھی کچھ کم نہیں تھیں۔ علم دریچے میں سب کچھ اچھا تھا۔ تصویر خانہ بھی پسند آیا۔ ہر بار کی طرح ہنسی گھر بہت پُر لطف تھا، پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ کہانیوں میں بلاعنوان کہانی تھوڑی خوف ناک تھی، لیکن پڑھنے میں بہت مزہ آیا۔ باقی کہانیاں بھی لاجواب تھیں۔ **محمد جہانگیر عباس جوئیہ، کراچی۔**

❁ جولائی کے شمارے کی کہانیاں اور لطیفے بہت مزے دار تھے۔ خاص طور پر نیا پڑوسی، بہن ہو تو ایسی، سوتیلی امی، عقل مند چڑیا اور مچھلیوں کی تلاش بہت پسند آئیں۔ جوتے کی چوری اور خاص طور پر اسے محفوظ کرنے کا طریقہ بھی خوب تھا۔ اس سے بھی معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔ **صلاح الدین، حدیقہ ناز، طیبہ نور، اوتھل۔**

❁ اس بار کا شمارہ بہت اچھا رہا۔ سرورق بھی اچھا لگا۔ نظمیں بہترین تھیں۔ کہانیاں لاجواب تھیں۔ تحریریں زبردست تھیں خاص طور پر عیدی، روشن خیالات بہت ہی اچھے تھے۔ **نگہت رمضان، اوتھل۔**

❁ جولائی کا شمارہ زبردست تھا۔ سب سے عمدہ کہانی بلاعنوان تھی۔ دوسرے نمبر پر سوتیلی امی اور تیسرے نمبر پر بہن ہو تو ایسی۔ باقی تمام سلسلے بھی اچھے لگے۔ **عریشہ، آمنہ، سیف، جویریہ، محمد احمد، جگہ نامعلوم۔**

❁ جولائی کا نونہال بہت ہی عمدہ اور معلومات سے بھرپور تھا۔ تمام کہانیاں بھی اے ون تھیں۔ جن میں جوتے کی

چوری (لیاقت علی)، بہن ہو تو ایسی (محمد ذوالقرنین خان)، عقل مند چڑیا (نظارت نصر) بہترین تحریریں تھیں۔ علم در یچے معلوماتی اور نونہال ادیب دل چسپ سلسلہ ہے۔ **غلام احمد سعید، بہاول نگر۔**

❁ کہانیوں میں نیا پڑوسی، مچھلیوں کی تلاش، عقل مند چڑیا، بلاعنوان کہانی، بہن ہو تو ایسی، جوتے کی چوری اور سوتیلی امی بے حد پسند آئیں۔ نظموں میں آلو دگی اچھی تھی۔ باقی تمام سلسلے بھی بہت اچھے تھے۔ **سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔**

❁ جولائی کے شمارے میں سب سے اچھی کہانی بلاعنوان کہانی تھی۔ نیا پڑوسی، جوتے کی چوری، بہن ہو تو ایسی اور سوتیلی امی زبردست کہانیاں تھیں۔ **عبداللہ شیخ، شہداد پور۔**

❁ جولائی کی سب سے اچھی کہانی عقل مند چڑیا تھی۔ بہن ہو تو ایسی میں واقعی آمنہ ایک بہت اچھی بہن تھی۔ بلاعنوان کہانی اتنی اچھی نہیں تھی۔ نیا پڑوسی کہانی بہت اچھی تھی۔ معلومات افزا کے سوال کچھ مشکل تھے۔ **نام پتا نا معلوم۔**

❁ جولائی کا شمارہ جگمگاتے سرورق اور سنہری تحریروں سے سجا ہوا تھا۔ وقار محسن، محمد ذوالقرنین خان، جاوید اقبال اور محمد اقبال شمس کی تحریروں نے ایک کیف طاری کیا۔ روشن خیالات نے ذہن کے بند دریچے کھولے۔ معلومات افزا نے علم کا ذوق بڑھایا۔ **محمد سعید افراہیم خان، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ تو بہت زبردست تھا، پڑھ کر بڑا مزہ آیا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات، علم دریچے اور نونہال ادیب کا سلسلہ مزے دار تھا۔ مسکراتی لکیریں بہت زبردست تھیں۔ بیت بازی زبردست تھی۔ کہانیاں بھی بہت زبردست تھیں۔ سب سے اچھی کہانی بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس) تھی، کیوں کہ یہ سب سے الگ اور بہت ڈراؤنی کہانی لگی۔ دوسرے نمبر پر بہن ہو تو ایسی (محمد ذوالقرنین خان) تھی اور تیسرے نمبر پر بازی لے جانے والی کہانی سوتیلی امی (ہاجرہ ریحان) تھی۔ **سمیہ وسیم شیخ، سکھر۔**

❁ جولائی کا شمارہ ٹاپ پر تھا۔ سب سلسلے عمدہ تھے۔ سوتیلی امی اول نمبر پر تھی۔ **محمد شکیب مسرت، بہاول پور۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ من پسند کہانیوں میں بہن ہو تو ایسی، نیا پڑوسی، مچھلیوں کی تلاش، عقل مند چڑیا، جوتے کی چوری، سوتیلی امی شامل ہیں۔ مسکراتی لکیریں بھی اچھی ہیں۔ ہنسی گھر کے پہلے لطیفے نے ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیا۔ بلاعنوان کہانی تو سپر ہٹ تھی۔ **ادیبہ علی، کراچی۔**

❁ پہلی بات اور جاگو جگاؤ بہت اچھے تھے۔ مضمون سر سید احمد خاں (مسعود احمد برکاتی) بہت معلوماتی تھا۔ بہن ہو تو ایسی نمبر ون کہانی تھی۔ اس کے بعد بلاعنوان کہانی اور پھر نیا پڑوسی بہت زبردست کہانیاں تھیں۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ معلومات افزا کے سوالات سلیم فرخی کا بہت ہی عمدہ انتخاب تھا۔ تمام سلسلے اور تحریریں بہت پسند آئیں۔ **رضوان احمد، کراچی۔**

❁ جوتے کی چوری، ایک جاسوسی کہانی تھی، سب سے اچھی کہانی بلاعنوان کہانی لگی۔ اس کے علاوہ بہن ہو تو ایسی، سوتیلی امی، پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہمارے معاشرے میں سوتیلی ماں کو ہمیشہ ظالم ٹھیرایا جاتا ہے، مگر اس کہانی نے سوتیلی ماں کو مظلوم ثابت کر دیا۔ اس کے علاوہ نظمیں، مسکراتی لکیریں، علم دریچے، نونہال ادیب، ہنسی گھر، غرض یہ کہ تمام رسالہ بہت خوب تھا۔ **حافظ محمد عبداللہ جاوید اقبال، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں اور مضامین اچھے تھے۔ کہانیوں میں سوتیلی امی اور بلاعنوان کہانی زیادہ اچھی تھیں۔ سر سید احمد خاں اچھا مضمون تھا۔ نونہال ادیب میں پختہ عزم بہت پسند آئی۔ **اشمہ نیاز، آزاد کشمیر۔**

❁ ہمدرد نونہال ایک بہترین رسالہ ہے اور بچوں کی اصلاح کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ خاص نمبر واقعی خاص تھا، تحفہ بھی اچھا تھا۔ **نام پتا نا معلوم۔**

● جولائی کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ خاص طور پر سرورق پر صباحت فاطمہ کی تصویر بہت اچھی لگی۔ سلسلے جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ کہانیوں میں عقل مند چڑیا، سوتیلی امی، نیا پڑوسی، بلاعنوان کہانی زبردست تھیں۔ امامہ عاکفین، حاصل پور۔

● جوتے کی چوری (لیاقت علی تلمبہ) زبردست کہانی تھی۔ نیا پڑوسی، بہن ہو تو ایسی، عقل مند چڑیا اور مچھلیوں کی تلاش چاروں کہانیاں زبردست تھیں۔ بلاعنوان انعامی کہانی اچھی تھی۔ انکل! کیا دو نونہالوں کے نام سے عنوان بھیجا جاسکتا ہے؟ عمر جاوید، کراچی۔

ایک کوپن پر دو نونہالوں کے نام سے عنوان نہیں بھیجا جاسکتا۔ ایک کوپن پر دو عنوان بھی نہیں لکھے جاسکتے۔

● جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ شمارے میں جاگو جگاؤ اور پہلی بات سے فیض یاب ہوئے۔ ہمدرد نونہال کا تو ہر شمارہ اچھا ہوتا ہے۔ ہر دفعہ کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے۔ کہانیوں میں پہلے نمبر پر بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس)، مچھلیوں کی تلاش (جاوید اقبال) اور دوسرے نمبر پر نیا پڑوسی (وقار محسن) اچھی لگیں اور پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ نونہال ہمارے گھر میں سب بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ حمزہ ساجد، کوئٹہ۔

● جولائی کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ تمام تحریریں اچھی تھیں۔ سوتیلی امی، بہن ہو تو ایسی، نیا پڑوسی اچھی کہانیاں تھیں۔ بلاعنوان کہانی تو ہمیشہ کی طرح زبردست تھی۔ مریم ساجد، کوئٹہ۔

● حکیم سعید کی یاد رہنے والی باتوں میں ''کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو اس کو خوشی و سکون حاصل ہوتا ہے'' بہت اچھی لگی۔ انکل مسعود احمد برکاتی کی تحریر سرسید احمد خاں کے بارے میں کافی معلومات ملیں۔ وقار محسن کی پرندوں کی کہانی نیا پڑوسی سبق آموز تھی۔ معلوماتی مضمون طائف پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ باقی سوتیلی امی، عقل مند چڑیا اور مچھلیوں کی تلاش اور خوف ناک کہانی (بلاعنوان) بہت پسند آئی۔ عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔

● جولائی کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ خاص طور پر شمارے کا سرورق دل کو بہت بھایا۔ کہانیوں میں پہلے نمبر پر سوتیلی امی، بہن ہو تو ایسی اور نیا پڑوسی۔ دوسرے نمبر پر عقل مند چڑیا اور بلاعنوان کہانی جب کہ تیسرے نمبر پر مچھلیوں کی تلاش لگی۔ جوتے کی چوری کچھ خاص متاثر نہ کرسکی۔ نونہال ادیب میں طاقت ور کون اور نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اچھی لگی۔ نونہال مصور کا صفحہ اس دفعہ زبردست تھا۔ ہنسی گھر نے اس دفعہ کچھ خاص کمال نہ دکھایا اور نہ ہمیں ہنسایا۔ سب کے سب لطیفے پڑھے ہوئے تھے۔ تمام مضامین میں سے مضمون ''ایک پیارا انسان، ایک مقبول شاعر'' (مسعود احمد برکاتی) اچھا لگا۔ عرشیہ نوید حسنات، کراچی۔

● جولائی کے شمارے کا سرورق لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں، خاص طور پر بلاعنوان انعامی کہانی، سوتیلی امی، نیا پڑوسی، جوتے کی چوری اور بہن ہو تو ایسی زبردست تھیں۔ نونہال ادیب میں طاقت ور کون پڑھ کر مزہ آیا۔ نظموں میں آؤ بلبلے بنائیں اچھی لگی۔ مسکراتی لکیریں، نونہال مصور اور تصویر خانہ کا صفحہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔ مچھلیوں کی تلاش بھی اچھی تحریر تھی اور اچھا سبق بھی دے گئی۔ حذیفہ احمد، کراچی۔

● جولائی کا سرورق بہت اچھا تھا اور شمارہ بھی بہت زبردست تھا۔ ساری کہانیاں لاجواب تھیں۔ نیا پڑوسی، مچھلیوں کی تلاش، بہن ہو تو ایسی سب کہانیوں میں ایک اچھا سبق تھا اور عقل مند چڑیا نے تو ہمیں بھی تھوڑی عقل دے دی۔ مریم عبدالسلام شیخ، نواب شاہ۔

● جولائی کا شمارہ اے ون تھا۔ ساری کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ بہن ہو تو ایسی، مچھلیوں کی تلاش، عقل مند

چڑیا، بلاعنوان کہانی سپرہٹ تھیں۔ نیا پڑوسی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ نظمیں بھی ساری اچھی لگیں۔ عائشہ، حیا شیخ، نواب شاہ۔

❁ جولائی کا شمارہ اول تا آخر اے ون تھا۔ کہانیوں میں مچھلیوں کی تلاش، بہن ہو تو ایسی، نیا پڑوسی، سوتیلی امی، جوتے کی چوری، عقل مند چڑیا اور بلاعنوان کہانی وغیرہ سب اچھی تھیں۔ دیگر سلسلے معلومات ہی معلومات، ہنسی گھر، نونہال ادیب، علم دریچے بھی پسند آئے۔ محمد شیراز انصاری، کراچی۔

❁ جولائی کا شمارہ اس باغ کی طرح تھا جس کی ہر کہانی پھولوں کی طرح مہک رہی تھی۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات نے ہیرے جیسی قیمتی باتوں کا تحفہ پیش کیا۔ ہنسی گھر کی تو کیا ہی بات تھی، مگر بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس) خوف و دہشت دکھانے میں ناکام رہی۔ زین علی، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال ایک خاموش معلم ہے اور اسے بہتر سے بہتر بنانے میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ جولائی کے شمارے میں سب سے زبردست کہانی سوتیلی امی (ہاجرہ ریحان) کی۔ نیاز قدیر، کراچی۔

❁ جولائی کے شمارے میں زبردست کہانی بہن ہو تو ایسی تھی۔ سرورق پر صباحت فاطمہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ محمد مظہر ستار، کراچی۔

❁ جولائی کا شمارہ عمدہ تھا۔ سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ عقل مند چڑیا، نیا پڑوسی اور مچھلیوں کی تلاش بہت اچھی تھیں اور بہن ہو تو ایسی بہت مزے دار تھی۔ سب سے مزے دار کہانی جوتے کی چوری تھی۔ ذرشت نسیم راؤ، حیدرآباد۔

❁ جولائی کا شمارہ اچھا تھا۔ جوتے کی چوری بالکل پسند نہیں آئی۔ سرورق پیارا تھا۔ معصوم اور بھولا بھالا۔ بہن ہو تو ایسی زبردست تھی۔ واقعی چھوٹی بہن نے اپنے بھائی کے لیے بے مثال قربانی دی۔ سلسلے تمام ہی خوب صورت ہوتے ہیں۔ روشن خیالات میں سب سے پہلے پڑھتی ہوں۔ نونہال ادیب، نونہالوں میں ادبی نکھار پیدا کرنے کے لیے بہترین سلسلہ ہے۔ بی بی سمیرہ بتول اللہ بخش، حیدرآباد۔

❁ اتفاق سے نونہال کا ایک شمارہ ہاتھ لگا، بہت پسند آیا۔ خط کے ساتھ کہانی بھیجنے کی جسارت پہلی مرتبہ کر رہا ہوں۔ جولائی کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ کہانیوں میں نیا پڑوسی، بہن ہو تو ایسی، عقل مند چڑیا، مچھلیوں کی تلاش، جوتے کی چوری اور بلاعنوان انعامی کہانی تو بہت پسند آئیں۔ نظمیں ساری اچھی تھیں۔ تمام مضامین بھی اچھے تھے۔ غرض پورا شمارہ ہر لحاظ سے بہت خوب تھا۔ انکل! کیا ہم بھی بلاعنوان انعامی کہانی لکھ سکتے ہیں؟ علی حیدر، جھنگ، صدر۔

> پہلے عنوان والی اچھی اچھی کہانیاں لکھیے، تاکہ مہارت پیدا ہو جائے۔

❁ سرسید احمد خاں (مسعود احمد برکاتی)، ہماری عید (ڈاکٹر فرحت حسین)، اور عیدی (نسرین شاہین) بہت اچھے مضامین تھے۔ سب سے اچھی نظم "آؤ بنائیں بلبلے" تھی۔ کہانیاں مجھے ساری اچھی لگیں چاہے وہ بلاعنوان ہو یا نیا پڑوسی، بہن ہو تو ایسی، مچھلیوں کی تلاش، سوتیلی امی، جوتے کی تلاش سب ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ عاصمہ فرحین، کورنگی، کراچی۔

❁ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ میرے خیال سے آیئے مصوری سیکھیں اتنا خاص سلسلہ نہیں ہے۔ اس کے بجائے کوئی اور سلسلہ شروع کریں۔ سیدہ وجیہہ ناز، کراچی۔

❁ جولائی کے شمارے کا سرورق بہت ہی پیارا تھا۔ جوتے کی چوری، نیا پڑوسی، بہن ہو تو ایسی، سوتیلی امی، عقل مند چڑیا، مچھلیوں کی تلاش اور بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھیں۔ تقریباً سب تحریریں بہت عمدہ تھیں۔ علیزہ وسیم، کراچی۔ ☆

جوابات معلومات افزا - ۲۳۵

سوالات جولائی ۲۰۱۵ء میں شایع ہوئے تھے

جولائی ۲۰۱۵ء میں معلومات افزا-۲۳۵ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے پندرہ نونہالوں کے نام نکالے گئے ہیں۔ انعام یافتہ نونہالوں کو ایک کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ بنی اسرائیل کے زمانے کا انتہائی دولت مند شخص قارون حضرت موسیٰ کا چچازاد بھائی تھا۔

۲۔ حضور اکرمؐ کے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات کے موقع پر سورۂ کوثر نازل ہوئی تھی۔

۳۔ ۱۴۵۳ء میں عثمانی سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ فتح کیا۔

۴۔ مغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنی ملکہ ارجمند بانو کو ممتاز محل کا خطاب دیا تھا۔

۵۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح ۳۱ جولائی ۱۸۹۳ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔

۶۔ سان فرانسسکو امریکی ریاست کیلیفورنیا کا ایک بڑا شہر ہے۔

۷۔ دنیا میں سب سے لمبے قد کا جانور زرافہ ہے۔

۸۔ جرمنی کے چانسلر ہٹلر نے خفیہ پولیس کی ایک تنظیم گستاپو کے نام سے قائم کی تھی۔

۹۔ سید انوار حسین مشہور شاعر آرزو لکھنوی کا اصل نام ہے۔

۱۰۔ وہ مختصر نام جو شعرا اپنے کلام کے آخر میں اصلی نام کے بجائے استعمال کرتے ہیں، اسے تخلص کہتے ہیں۔

۱۱۔ رومی ہندسوں میں ۲۰۰۰ کے عدد کو انگریزی کے حروف MM سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

۱۲۔ ۱۹۶۵ء میں وفات پانے والی سیدنا طاہر سیف الدین، داؤدی بوہرہ کے ۵۱ ویں سربراہ تھے۔

۱۳۔ وینزویلا، براعظم جنوبی امریکا کا ایک ملک ہے۔

۱۴۔ انگریزی زبان میں ''MUSTARD'' سرسوں کو کہتے ہیں۔

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت: ''کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔''

۱۶۔ احمد ندیم قاسمی کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ **کراچی:** مجاہد الرحمٰن، نائمہ تحریم، محمد فہد الرحمٰن، سید صفوان علی جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، ماریہ سعید عالم، محمد آصف انصاری ☆ **حیدر آباد:** عائشہ ایمن عبداللہ۔

☆ **لاہور:** مطیع الرحمٰن، سارہ جاوید ☆ **اسلام آباد:** افراز علی اعوان ☆ **راولپنڈی:** علی حسن۔

☆ **لاڑکانہ:** صنم حضور ابڑو ☆ **ملتان:** صائم عاصم ☆ **قصور:** نور الہدیٰ علی۔

۱۶ درست جوابات دینے والے نونہال

☆ **کراچی:** محمد سعد افراہیم خان، حافظ مصدق زبیر، زروا ممتاز، سیدہ ردا حسین، محمد جلال الدین اسد، مسکان فاطمہ، خضریٰ بتول، سیدہ وجیہہ ناز، محمد اسد علی، سید عفان علی جاوید، سیدہ مریم محبوب، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، علینا اختر، زین علی ☆ **حیدر آباد:** ارسلان اللہ خان، ماہ رخ، محمد اقبال، محمد عاشر راحیل ☆ **لاہور:** صفی الرحمٰن، فضہ خالد، حافظ انشراح خالد بٹ ☆ **اسلام آباد:** عنیزہ ہارون، ماہا جواد ☆ **راولپنڈی:** شرجیل ضیا، محمد ارسلان ساجد ☆ **لاڑکانہ:** معتبر خان ابڑو ☆ **بہاول پور:** صباحت گل، قرۃ العین عینی، احمد ارسلان، ایمن نور ☆ **میر پور خاص:** زفرا مصطفیٰ گل، عائشہ مہک ☆ **نواب شاہ:** ولید امجد ☆ **اوتھل:** مدیحہ رمضان بھٹہ ☆ **کوٹلی:** اشمہ نیاز ☆ **رحیم یار خان:** زین رضا ☆ **نوشہرو فیروز:** محمد جاوید ابراہیم پھل (پتا نامکمل ہے)

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ **کراچی:** احتشام شاہ فیصل، کامران گل آفریدی، محسن خان، بلال خان، رضوان ملک امان اللہ، محمد عثمان خان، صفی اللہ، طاہر مقصود، احمد رضا، طلحہٰ سلطان شمشیر علی، بہادر شاہ ظفر، کومل فاطمہ اللہ بخش، محمد مصعب علی، طوبیٰ بنتِ عبدالرؤف، علیزہ سہیل ☆ **لاہور:** عبدالجبار رومی انصاری، عقبہ حدید ☆ **ملتان:** احمد عبداللہ، محمد احمد شاکر ☆ **جامشورو:** حافظ مصعب سعید ☆ **خوشاب:** محمد قمر

الزماں ☆ گوجرانوالہ: زینب افضل ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر ☆ اٹک: بی بی سارہ شعیب ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ تھاروشاہ: ریان آصف خانزادہ راجپوت ☆ سیالکوٹ: خدیجہ مدثر ☆ اسلام آباد: عائشہ جواد۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: محمد عبداللہ، اختر حیات، بشریٰ عبدالواسع ☆ لاہور: اُم ہانی، حامز حماز اختر بٹ، سید محمد شوذب نقوی ☆ راولپنڈی: حافظ وقار عثمان، محمد شہیر یاسر ☆ اوتھل: عبدالرافع ☆ بہاول نگر: فاطمہ محمود ☆ حیدرآباد: مریم عارف خان ☆ فیصل آباد: علینہ عامر ☆ اسلام آباد: فرحین ☆ منڈی بہاؤالدین: کنزہ مریم۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: محمد شافع، رضوان احمد، عمر رفیق، سندس آسیہ، ہما ناز، عمیرہ صابر ☆ ہری پور: عروج فاطمہ ☆ نواب شاہ: مریم عبدالسلام شیخ ☆ بھکر: بنتِ زاہد خان ☆ بہاول پور: محمد عثمان غنی ☆ قصور: آمنہ عبدالسلام ☆ شہداد پور: عبداللہ شیخ ☆ بے نظیر آباد: ایمن سعید خانزادہ ☆ حیدرآباد: عبدالمقیت خان ☆ اٹک: حُرمت زہرہ۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ کراچی: سمیعہ توقیر، رمیشہ زینب عمران حسین، یمنہ توقیر، اسما زیب عباسی، محمد عاقل خان ☆ فیصل آباد: زینب ناصر ☆ سانگھڑ: ایمن شاہد ☆ نواب شاہ: محمد عبداللہ قریشی ☆ میر پورخاص: عالیہ بی بی ☆ جھول: اقصیٰ جاوید انصاری ☆ سکھر: سمیہ وسیم شیخ۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: محمد اختر، عائشہ عمران، مہر سلیم ☆ راولپنڈی: سندس علی، سائرہ مریم ☆ سانگھڑ: محمد طلحہ میمن۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جولائی ۲۰۱۵ء میں جناب محمد اقبال شمس کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو مختلف جگہوں سے نونہالوں نے ہمیں بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ وفا کا پیکر : عبدالودود، کراچی

۲۔ معصوم مددگار : عطیہ خلیل، لاہور

۳۔ سچا دوست : قرۃ العین عینی، بہاول پور

چند اور اچھے عنوانات

وہ خوفناک رات۔ جانور کی انسانیت۔ بوڑھا محافظ۔ وفادار گھوڑا۔ عظیم قربانی۔ اصل سے خطا نہیں۔ حق وفاداری۔ وفاداری کا حق۔ قصہ ایک رات کا۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے عنوانات بھیجے

☆ **کراچی:** حافظ محمد عبداللہ جاوید اقبال، ملیحہ احمد، علشباہ علی رضا، مہر سلیم، سمیعہ توقیر، محمد صدیق، رمیشہ زینب عمران حسین، اریبہ آصف، ہمایوں ظفر، حافظہ عاتکہ زبیر، زویا ممتاز، شاہ زیب رشید، ا۔ع، کامران گل آفریدی، بلال خان، محمد جلال الدین اسد، رضوان ملک امان اللہ، طلحہٰ سلطان شمشیر علی، احمد رضا، فخر عالم، نمرہ محمد اشرف قریشی، عفیفہ حبیب، حماد علی خان، مہوش حسین، طوبیٰ بنتِ عبدالرؤف قریشی، آسیہ اسداللہ، زین علی، سید شہظل علی اظہر، سید صفوان علی اظہر، علیزہ سہیل،

رضوان احمد، محمد شافع، محمد عمر خاں، ناعمہ تحریم، محمد اختر، عروبہ محمد شریف، محمد اذعان خان، یسریٰ فرزین، عائشہ الیاس، علینہ وسیم اظہر خان، یمنیٰ توقیر، اسامہ ملک، مبشرہ زیب عباسی، عرشیہ نوید حسنات، سیدہ ردا حسین، حمیرا ہمایوں، محمد جہانگیر عباس جوئیہ، سیدہ وجیہہ ناز، امان طارق، زین علی، مائرہ اسلم، جویریہ فاروقی، علینا اختر، سارہ عبدالواسع، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، محمد شیراز انصاری، سیدہ جویریہ جاوید، سید باذل علی اظہر، محمد مظہر ستار، کلثوم خان، زہیر ذوالفقار، زُناش عمران، مریم بنتِ علی، صفورا نثار، ریان علی، خصریٰ بتول، مصامص شمشاد غوری، مسکان فاطمہ، ہما ناز، نور حفیظ، بہادر شاہ ظفر، صفی اللہ، محمد عثمان خان، اختر حیات، طاہر مقصود، محمد فہد الرحمٰن، طلحہٰ سلطان شمشیر علی، محسن خان، محمد سعد ندیم، عریشہ بنتِ حبیب الرحمٰن، جویریہ اطہر، کومل فاطمہ اللہ بخش، سندس آسیہ، عبدالودود، محمد عاقل خان، محمد احمد رضا خان، عمیر رفیق، محمد سعد افراہیم، مشعل نایاب، مجاہد الرحمٰن، ادیبہ علی ☆ **حیدرآباد:** تسمیہ خان، سیدہ اقرا اعجاز، ضحیٰ بابر علی کھوکھر، عائشہ ایمن عبداللہ، زارا خان، ارسلان اللہ خان، مقدس بنتِ جبار خان، حسام الہ دین، ماہ رخ، مریم عارف خان، زرشت نعیم راؤ، بی بی سمیرہ، بتول اللہ بخش ☆ **لاہور:** عطیہ جلیل، ماہین صباحت، عبدالجبار رومی انصاری، منیحہ حماد اختر بٹ، عائشہ صدیقہ، عقبہ حدید، سارہ جاوید، حافظہ انشراح خالد بٹ، سمیہ ناصر، محمد حسن محمود ار جمند ☆ **راولپنڈی:** منیب ضیا، سندس علی، محمد شہیر یاسر، عظیم بن عاصم، مومنہ ثاقب، اسامہ ظفر راجا، وقار عثمان، زنیرہ قمر ☆ **میرپور خاص:** سجاد علی کھوکھر، فیروز احمد، اُم ہانی شاہد علی، اسامہ بن سلیم، عائشہ مصطفیٰ گل، سیدہ میثم عباس شاہ ☆ **اسلام آباد:** زینب بتول، عنیزہ ہارون، فرحین، معصومہ طاہر، ماہا جواد ☆ **بہاول پور:** محمد شکیب مسرت، قرۃ العین عینی، صباحت گل، احمد ارسلان، ایمن نور، محمد عثمان غنی ☆ **سانگھڑ:** علیزہ ناز منصوری، اقصیٰ جاوید

انصاری جھول، عبدالرحمان حسن، ایمن شاہد، محمد طلحہ میمن ☆ **وہاڑی:** شفیق احمد معاویہ، رجاء، بتول ☆ **اٹک:** عالیہ، بی بی سارہ شعیب ☆ **ہری پور:** محمد سیف اللہ آصف، عروج فاطمہ ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** عمیر مجید، شکیل مجید، سعدیہ کوثر مغل ☆ **ملتان:** محمد احمد شاکر، عیشہ عاصم، ایمن فاطمہ ☆ **اوتھل:** نگہت رمضان بھٹہ، ثروت جہاں ☆ **فیصل آباد:** احمد عامر، فاطمۃ الزہرہ، زینب ناصر ☆ **نواب شاہ:** محمد عبداللہ قریشی، ولید امجد، مریم عبدالسلام شیخ ☆ **پشاور:** محمد حیان، ہدیٰ خان ☆ **جھنگ:** جویریہ خالد، علی حیدر ☆ **قصور:** رمشہ اسحاق، نورالہدیٰ ☆ **خوشاب:** حرا سعید شاہ، محمد قمرالزمان ☆ **بہاول نگر:** فاطمہ محمود ☆ **سکھر:** سمیہ وسیم شیخ ☆ **کوٹلی:** اشمہ نیاز ☆ **خانیوال:** محمد دانش کریم، مشعل عقیل ☆ **جامشورو:** حافظ مصعب سعید ☆ **گوجرانوالہ:** نورالعین افضل ☆ **کوئٹہ:** مریم ساجد ☆ **ننکانہ صاحب:** ملائکہ نورین قادری ☆ **کلورکوٹ:** سمیرا زاہد ☆ **نوشہرو فیروز:** رمشا پھل ☆ **شہداد پور:** عبداللہ شیخ ☆ **ٹھاروشاہ:** شایان آصف خانزادہ راجپوت ☆ **رحیم یار خان:** مناہل فاطمہ ☆ **بے نظیر آباد:** ایمن سعید خانزادہ ☆ **سیالکوٹ:** انعم مدثر ☆ **سرگودھا:** زاہد خورشید علی ☆ **ایبٹ آباد:** غزل وقار ☆ **شہدادکوٹ:** صنم حضور ابڑو ☆ **لاڑکانہ:** معتبر خان ابڑو ☆ **وہاڑی:** مومنہ خالد ☆ **حاصل پور:** امامہ عاکفین ☆ **جگہ نامعلوم:** ہاجرہ خان۔ ☆

ای - میل کے ذریعے سے

ای - میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

نونہال لغت

اِعزاز	اِ عْ زَ ا ز	عزت دینا۔ رتبہ دینا۔ عزت، توقیر۔
حَشرات	حَ شَ رَ ا ت	رینگنے والے کیڑے۔
سُستانا	سُ سْ تا نا	آرام کرنا۔ تکان دور کرنا۔ تازہ دم ہونا۔
ہِراساں	ہِ رَ ا سا ں	ڈرا ہوا۔ خوف زدہ۔ امید۔ مایوس۔ ڈرپوک۔
کَھوا	کھَ وْ وَ ا	مونڈھا۔ کندھا۔
قَفَس	قَ فَ س	پنجرا۔ پھندا۔ جال۔ قید خانہ۔
خَسارہ	خَ سا رَ ہ	نقصان۔ گھاٹا۔ ضرر۔
عَداوت	عَ دَ ا وَ ت	دشمنی۔ مخالفت۔ عِناد۔
مَصلحت	مَ صْ لَ حَ ت	حکمت۔ پالیسی۔ اچھا مشورہ۔ مناسب تجویز۔ خوبی۔
رِعایت	رِ عا یَ ت	لحاظ۔ سہولت۔ طرف داری۔ مہربانی۔ توجہ۔
صَدقہ	صَ دْ قہ	کسی مصیبت کو دفع کرنے کے لیے راہِ خدا میں خیرات کرنا۔
اَنا	اَ نا	میں۔ خودداری۔
رَد	رَ دّ	واپس کرنا۔ موڑنا۔ پھیرنا۔
جَواز	جَ وَ ا ز	جائز ہونا۔ درست ہونا۔ اجازت۔
شیدائی	شَے دَ ا ئی	عاشق۔ فدا۔ مدہوش۔ دیوانہ۔
بُوسیدہ	بُو سِ دَ ہ	پھٹا۔ پرانا۔ گلا سڑا۔
بَرہم	بَ رْ ہَ م	ناراض۔ خفا۔ غصے میں ہونا۔ الٹ پلٹ۔
تاثیر	تا ثِ ی ر	اثر۔ خاصیت۔ نتیجہ۔ پھل۔